تعمیر نونہال

تحریر: ڈاکٹر محمد اسلم نوید

National Book Foundation



Certificate of Commendation

awarded to

Dr. Mohammad Aslam Naveed

in recognition of his academic contribution producing creative works entitled

تعمیر نونہال

under the project

"Promotion of Children Literature"

alongwith Cash Award (Second) of Rs. 15,000/-

(Rupees fifteen thousand only)

Managing Director
National Book Foundation

اُن کے نام جنہوں نے حالات کی تیز آندھیوں میں بھی

چراغِ مُصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سینے سے لگائے رکھا اور نسلِ نو تک پہنچا گئے اور اُن کے نام بھی

جو ابھی تک تھامے ہوئے ہیں اور اُسکی روشنی

آگے پھیلانے میں سرگرداں ہیں

تعلیمِ کامل وہ ہے جس سے اِنسان کی پوشیدہ صلاحیتں

صلاحیتں کمال پذیر ہوں

نہ کہ

بہت سی معلومات کا دماغ میں محض ذخیرہ ہونا۔۔۔ علامہ اِقبالؒ

درِمکتب ہزار بچے بدست کاسہ تعلیم حسرت

کاش یہ رسمِ جہان ہوتی کہ بھیک دیتے کتاب اُنکو

(نوید)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

7

مقصدِ تحریر

تطہیرِ قلوب اور پاکیزہ سیرت و کردار کے بغیر کوئی مثبت نظام قائم ہوا ہے، نہ قائم رہ سکتا ہے اسوہ حسنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی سبق ملتا ہے کہ آپؐ تیرہ سال مکی زندگی میں دین کا نظامِ حیات قائم کرنے والوں کی نہایت عمدگی سے تعلیم و تربیت فرماتے رہے۔ جن کے کردار نے ظلمت کدہ عرب و باقی دُنیا پہ ایک تابناک جہانِ نو تخلیق کیا۔ جس کی مثال نہ تھی، نہ ہے اور نہ ہوگی۔

مگر افسوس کہ جب ایک عرصہ بعد امتِ مسلمہ نے اس انداز کی تعلیم و تربیت سے کوتاہی کی تو زوال پذیری اس کا مقدر ہوگئی۔

حقیقت خرافات میں کھوگئی یہ امت روایات میں کھوگئی

اسی خیال سے کہ جیسی تربیت آج ہم اپنی نسلِ نو کی کریں گے۔ ویسی ہی قوم تیار ہوتی جائے گی۔ یہ کتابچہ لکھا گیا ہے۔ گو کہ یہ بچوں کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھ کر لکھا ہے مگر قرآن کریم کی راہنمائی تمام انسانوں کے لئے ہے۔ کیا بچے' کیا بڑے۔ البتہ اگر بچوں کی ابتدائی طور پر قرآنی معیار کے نزدیک ترین انداز سے تعلیم و تربیت کی جائے۔ جس سے دین کے بنیادی تصورات ان کے ذہنوں میں سما جائیں تو یقیناً یہ ان کے کردار کا حصہ بنتے جائیں گے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

کردار کی تعمیر میں بظاہر چھوٹی چھوٹی چیزیں ہی بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں سے چشم پوشی ہی کردار کو گھن کی طرح کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ جس طرح بنیاد کی چھوٹی چھوٹی اینٹوں پر کئی منزلہ عالی شان عمارت تعمیر ہوتی ہے اور بنیاد کی محض ایک اینٹ کے سوراخ سے اگر پانی داخل ہونا شروع ہو جائے تو عالی شان عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔ چاہے اس کی چھت کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔

مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیمِ دیں ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں

لہٰذا انسانی کردار کی مضبوطی کیلئے لاریب آسمانی ہدایت ہی بہترین بنیاد فراہم کرتی ہے۔

فرمان رسولِ کریمؐ ہے۔ خیرکم من تعلم القران وعلمہ

''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا''

اتباع سنت رسولؐ میں یہ کتابچہ پیش خدمت ہے۔

تاکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور روزمرہ معاشرتی رویوں سے متعلق قرآنی حقائق سے آگاہی ہوتی جائے جوکہ اعمال کی بنیادی شرط ہے۔اس میں جو بھی کمال ہے ضیاء ربانی کا ہے اور جو کمی کوتاہی ہے۔وہ بہرحال میری اس انسانی کاوش میں ہے۔نشاندہی پر ممنون بھی ہوں گا اور وہ آئیندہ ایڈیشن میں بہتری کے لئے مددگار رہے گی کتابچہ میں دیئے گئے حوالہ جات کو یوں دیکھیں گے مثلاً

(افلا یتدبرون القران ام علی قلوبٍ اقفالھا)

''بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے لگ رہے ہیں ؟''

حوالہ سمجھنے کے لیے یوں دیکھئے اوپر والی آیت (47/24) میں پہلے 47 سورۃ نمبر ہے

یعنی سورۃ محمدؐ اور پھر آیت نمبر (24) ہے

میں جناب خالد محی الدین صاحب' عمران اللہ پراچہ صاحب ،قاسم نوری صاحب ،قادر خان سیماب صاحب' سید احتشام الحق صاحب ،محمد یونس صاحب ، ناصر نذیر صاحب، ثاقب عزیز صاحب،اور اپنی رفیقہ حیات کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون ہوں۔جن کی مسلسل ترغیب اور حوصلہ افزائی سے میں اس پیش کش کے قابل ہوا۔ دعاء ہے اللہ رب العزت اسے درجہ قبولیت سے نوازے۔(آمین)

تیری دعا ہے کہ ہو آرزو تری پوری

میری دعا ہے کہ تری آرزو بدل جائے اقبالؒ

ثم تتفکروا (34/46)(سوچا کرو)

اکثر یہ سوچ میری راتوں کی نیند حرام کر دیتی ہے۔ کہ جس قوم کے بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو، ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ سورۃ العمران آیت نمبر 138

(اور بے دل نہ ہونا اور کسی طرح کا غم نہ کرنا اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے)

وہ قوم جسے خیر اُلامت کہا تھا یعنی سب سے اچھی اُمت۔ وہی اُمت آج دوسری اُمتوں پر غالب تو درکنار نچلے درجے کی انتہائی بے چارگی، درماندگی، مظلومیت اور ذلت کی حدوں کو چھو رہی ہے اور حالت مزید بدتر ہوتی جا رہی ہے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اور جہاں قدرت کی یہ گارنٹی بھی ان الفاظ میں موجود ہو کہ وکان حقًا علینا نصر المومنین۔ سورۃ الروم آیت 47۔ (اور مومنین کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے)

ایک بات واضح ہے کہ اگر ہماری مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو رہی۔ اور ہم غالب نہیں تو یقیناً اللہ کا فرمان تو (نعوذ با اللہ) غلط ہو ہی نہیں سکتا اور ذات اقدس کی گارنٹی کمزور ہو نہیں سکتی تو پھر ہم ہی مومن نہیں ہیں۔ جو مومن تھے اُنکے لئے اللہ کی مدد بھی تھی اور وہ غالب بھی تھے۔ یہ تاریخ سے ثابت ہے۔ میرا یہ ایمان ہے کہ یہ اب بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ ہم مومن کی ذمہ داری پوری کریں۔

مگر کس طرح ؟ ہم مسلمان صدیوں سے زوال کا شکار ہیں اور غلامی کے عذاب کے مارے ہوئے پوری طرح غیر مسلم اقوام کے چنگل میں ہیں۔

اے بادِ صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام میرا
قبضے سے اُمت بیچاری کے دین بھی گیا اور دنیا بھی گئی

مگر قُرآن کا دامن تھام لیں تو اب بھی بازیابی کی صورت بن سکتی ہے۔ ورنہ

آسماں تھام کے بچ سکتی ہے دنیا ورنہ شور اِک اور بپا زیرِ زمیں لگتا ہے

(آسماں سے مراد آسمانی کتاب قرآنِ کریم)

اس تنزلی سے بازیابی کا آغاز کس طرح ہو، ہاں یقیناً ہو سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اسی اُمید پر فرمایا تھا

نہیں ہے نا اُمید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

وہ اُمت مسلمہ کے بڑے بڑے امراض کی طرف اشارہ فرماتے ہیں مگر سب سے پہلے غیروں کی تعلیم کے لئے جو کاسہ گدائی مستقل تھام رکھا ہے اُسے اپنی نسلِ نو کے ہاتھوں سے چھڑوا کر خود کفیل کرنے پر زور دیا ہے اور بڑے دکھ سے وہ مخاطب ہیں

اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی ! کیا تجھ کو میسر نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی ؟
خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

اس لئے وہ اپنے نوجوانوں سے ہی مخاطب ہوتا ہے کیونکہ اس کی ساری اُمیدیں اُنھیں سے وابستہ ہیں۔ جو اپنی اُمت کی کھوئی ہوئی سطوت کو پھر سے بحال کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہیں۔ وہ اُنہیں یاد دلاتا ہے۔

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سردارا

یوں وہ اللہ کے سامنے دست بہ دُعا ہیں کہ

عزائم کو سینوں میں بیدار کر نگاہِ مسلماں کو تلوار کر
خِرد کو غلامی سے آزاد کر جوانوں کو پیروں کا اُستاد کر

میں سوچتا ہوں کیا واقعی ہم نسلِ نو کو وہ آغوشِ محبت دے رہے ہیں جو اس کا حق ہے۔ اور جو ہمارے پاس اپنے السابقون الاولون کی امانت ہے۔ اخوت، محبت، جذبہ ایثار، دیانتداری، جُرات و بے باکی، حق گوئی، تعلیم برائے تربیت وتسخیر کائنات' آفاقیت، حسنِ سلوک، رزقِ حلال، ثابت قدمی اور جہدِ مسلسل۔

کیا ہم نے اس کے ہاتھ میں کائنات کے سربستہ راز کھولنے کیلئے نشترِ تحقیق دیا ہے۔ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ نسلِ موجود اپنی ذمہ داری سے تہی دست ہے۔ ہم نے تو اُس کو علم برائے

روزگار، خودغرضی، دوسروں کوکچل کر آگے بڑھنا، قربانی دینے کی بجائے دوسروں کے جذبات اور مفادات کے گلے پر چھری پھیرنا سکھایا۔ خود تسخیرِ کائنات کی بجائے ٹیکنالوجی کی بھیک مانگنا سکھایا۔ حتیٰ کہ اپنے نانِ شبینہ کے لئے اغیار کا دستِ نگر ہونا سکھایا۔ دنیا کے عام انسانوں کے لئے اخوت، محبت، رواداری کی بجائے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف ہتھیار پکڑا دیئے۔ اجتماعیت کا درس دینے کی بجائے اسے ذات، برادریوں پارٹیوں اور فرقوں میں بانٹ کر آخر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر نظر ہو تو۔۔

بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ　　اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں　　کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو　　تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو؟

پانی نہ مِلا زم زمِ ملت سے جو اُس کو　　پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

کیا ہمارے پاس اس مجرمانہ غفلت کے ازالہ کرنے کا وقت ہے؟ اگر ہے تو شائد بہت ہی کم بچا ہے۔ قوموں کی صف میں ہم پہلے ہی بہت پیچھے رہ چکے ہیں، ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔

علاج اُس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی، یعنی اقبال کے تصور کے شاہینوں اور اس کے مردِ مومن کی تعلیم و تربیت سے ان کی تیاری کہ وہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں۔ کیونکہ

افکارِ تازہ سے ہے جہانِ تازہ کی ہے نمود

کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

یہ سوچ کر کہ اُمت میں جہاں جہاں احساسِ زیاں اُجاگر ہے، وہ کام کر رہے ہیں۔ میں تو جس قدر اپنی کوشش کر سکتا ہوں کر ڈالوں۔ قوم کے نوجوانوں سے یہ ہی گزارش ہے کہ اس کتاب کو اس تمہید کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے پڑھیں، شائد کسی کے دل میں اُتر جائے میری بات!

نہ تو زمیں کے لیے نہ تو آسماں کے لیے　　جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لئے

جو دل سے سمجھنے' آنکھوں سے دیکھنے' کانوں سے سننے کا کام نہیں لیتے وہ جانور سے بھی بدتر ہیں

(7/179)

(باب قرآن)

قرآن کریم کا مقصد

آپ ہر روز اپنے گھر اور اسکول میں بہت سے لوگوں سے بات چیت کرتے ہیں۔ کسی کو کوئی حکم دیتے ہیں۔ کسی سے کچھ مانگتے ہیں' اور کسی سے یوں ہی جی بہلانے کی باتیں کرتے ہیں لیکن کبھی کسی سے کوئی بات آپ نے ایسی بھی کی ہے جو آپ خود نہ سمجھتے ہوں' کہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کبھی اپنے استاد یا ماں باپ سے آپ نے کوئی بات ایسی زبان میں بھی کی ہے۔ جو آپ خود نہ جانتے ہیں؟

(نگاہِ شوق اگر میسر نہیں تجھ کو   ترا وجود ہے قلب ونظر کی رسوائی)

آپ اس کا جواب یہی دیں گے کہ ہم نے کسی سے کوئی بات ایسی نہیں کہی جو ہم خود نہ سمجھتے ہوں۔ دنیا کا ہر انسان جب کسی سے بات کرتا ہے اور اپنا مطلب کسی پر ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اپنی ہی زبان میں بولتا ہے' یا کسی ایسی زبان میں بات کرتا ہے' جسے وہ جانتا اور سمجھتا ہو۔ کیونکہ جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو' کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ اپنے دل کی بات کسی پر کس طرح ظاہر کرسکتا ہے؟

لیکن جب ہم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوتے اور کچھ درخواست کرتے ہیں۔ تو ہمیں یہ بالکل پتہ نہیں ہوتا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم ہر روز پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں' اور رٹے ہوئے الفاظ دہراتے رہتے ہیں۔ لیکن ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم نے کیا کہا۔

آپ اس کی وجہ یہی بتائیں گے کہ نماز عربی زبان میں پڑھتے ہیں اور عربی زبان ہم سمجھتے نہیں بس اس کے رٹے ہوئے الفاظ ادا کرکے ثواب لے لیتے ہیں۔ مگر آپ اپنی مادری زبان کے ساتھ کئی دوسری زبانیں بھی اسکول میں سیکھتے ہیں۔ انگریزی بھی پڑھتے ہیں اور فارسی بھی۔ اگر تم بھی پاکستان سے باہر جاؤ تو فرانسیسی' اطالوی اور جرمن زبانیں بھی سیکھیں گے تاکہ وہاں کے علم اور فن سے فائدہ اٹھا سکیں۔ پھر سوچو کہ کیا تمہیں عربی زبان سیکھنے کا خود شوق نہ ہونا چاہیے؟

یہ ٹھیک ہے کہ عربی زبان سیکھنے میں تمہارا بہت سا وقت لگے گا' لیکن اگر شوق اور محنت سے کام لیں تو تھوڑے دنوں میں کم سے کم اتنی عربی تو سیکھ ہی لیں گے کہ کتاب اللہ یعنی قرآن شریف کو سمجھ لیں اور ان لفظوں کا مطلب بھی سمجھ لیں جو آپ نماز میں ادا کرتے ہیں۔ چلیئے جانے دیں اگر تمہارے

پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ عربی زبان پر عبور حاصل کرنے کے لئے اس کے مشکل قواعد سیکھیں پھر بھی قرآن کو سمجھنے کے بہت سے آسان راستے موجود ہیں۔ دنیا کی سب مشہور زبانوں میں قرآن کے تراجم موجود ہیں۔ انہی کو دیکھ کر آپ قرآن کا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

''اور ہم نے قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا، کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟'' ۔((54/22

بیاں میں نقطہ توحید آ تو سکتا ہے ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

آپ اپنے اسکولوں میں تاریخ جغرافیہ' حساب' سائنس وغیرہ پڑھتے ہونگے ۔ یہ سب کچھ آپ اپنی زبان میں پڑھتے ہیں ۔لیکن ان میں کوئی چیز پہلے اردو میں نہ تھی ۔ ان علوم پر کتابیں یونانی زبان میں تھیں یا عربی میں یا انگریزی وغیرہ میں ۔ اس کے بعد ان علوم کی کتابیں دوسری زبانوں سے ترجمہ ہو کر تمہاری زبان میں لکھی گئیں ۔ آب ترجموں کو اپنی زبان میں سمجھ کر آپ علم حاصل کرتے ہیں ۔

اسی طرح قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ کر بھی اس کا تھوڑا بہت علم آپ آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں ۔ نماز کے ترجمے بھی ہر زبان میں موجود ہیں ۔ ان کو سمجھ کر یاد کر لیں تو نماز کو سمجھ کر پڑھنا آپ کے لئے مشکل نہ ہوگا جب آپ کوئی کتاب یا اخبار یا رسالہ پڑھتے ہیں تو کوشش یہی کرتے ہیں' کہ اسے سمجھ کر پڑھیں ۔ کوئی آدمی کسی کتاب کو بے سمجھے نہیں پڑھتا ۔ چاہے وہ اپنی زبان میں ہو یا کسی دوسری زبان میں ۔لیکن کیسی حیرانی کی بات ہے کہ دنیا کی سب سے زیادہ ضروری کتاب یعنی قران مجید کو ہم بے سمجھے پڑھتے ہیں ۔ اللہ ہماری اس بے علمی اور نادانی پر ضرور ہنستا ہوگا (اِصطلاحاً) کہ ہم نے یہ برکت والی کتاب اس لئے بھیجی تھی کہ لوگ اسے سمجھیں ((38/29 مگر اس کے ماننے والے ایک دو دن نہیں بلکہ ہر روز اور ساری عمر اسے بے سمجھے پڑھتے رہتے ہیں طوطے کو اگر کوئی اچھا سا کلمہ یاد کرا دیں' تو یاد کر لے گا' اور صبح سے شام تک اسی کو رٹتا رہے گا ۔لیکن نہ وہ اس کا مطلب سمجھے گا نہ اس کی قدر کرے گا ۔

بالکل یہی حال ہم لوگوں کا ہے کہ نماز میں بھی اور تلاوت کے وقت بھی قرآن کریم ساری عمر پڑھتے رہتے ہیں اور کچھ نہیں سمجھتے کہ اس کا مطلب کیا ہے اور اس میں ہمارے لئے کیا حکم ہے ۔

پس اگر آپ اللہ کی ناراضگی سے بچنا چاہتے ہیں تو آپ کا کام یہ ہونا چاہیے کہ قرآن کو خوب اچھی طرح پڑھیں اور سمجھیں پھر اس کے مطابق اس پر عمل بھی کریں ۔

مقصد سمجھ لینے کے بعد ذمہ داری

آپ نے یہ تو سمجھ لیا' کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اپنے بندوں کو اس لئے دیا ہے کہ وہ اسے سمجھ کر پڑھیں'۔اب یہ دیکھیں کہ یہ سمجھنا کس لئے ہوتا ہے۔فرض کریں۔آپ کے پاس آپ کے چچا جان کا خط یا تار آتا ہے' کہ میں فلاں گاڑی سے آرہا ہوں۔آپ اسٹیشن پر لینے آجائیں آپ پہلے اس تار کا مضمون سمجھیں گے چاہے خود سمجھیں یا کسی سے پوچھ کر سمجھیں اس کے بعد پھر کیا کریں گے۔کیا تار بار بار پڑھنا شروع کردینگے یا سمجھنے کے بعد ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔نہیں بلکہ تیاری کر کے گاڑی کے وقت اسٹیشن پر پہنچیں گے۔تاکہ آنے والے کی ملاقات تک موجود رہیں۔

اگر آپ اسٹیشن نہ پہنچیں اور کہیں کہ تار کا مطلب تو ہم نے اچھی طرح سمجھ ہی لیا تھا۔پھر اسٹیشن جانے کی کیا ضرورت تھی تو لوگ آپ پر ہنسیں گے اور کہیں گے کہ یہ اطلاع اس لئے تھوڑا ہی دی گئی تھی کہ آپ صرف سمجھ لیں اور آگے کچھ نہ کریں۔اطلاع دینے کا مطلب تو یہی تھا کہ آپ اسے سمجھ کر ٹھیک وقت پر اسٹیشن پہنچ جائیں۔

اگر آپ اسٹیشن پر پہنچے ہی نہیں تو آپ کا سمجھنا اور نہ سمجھنا برابر ہے۔کیونکہ کسی بات کو سمجھنے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

اسی طرح یوں سمجھیں کہ قرآن کریم پڑھ کر سمجھنا تو پہلی اور ضروری بات ہے لیکن یہ آخری بات نہیں دوسری بات ہے اس پر عمل کرنا۔چونکہ بے سمجھے کا کوئی کام نہیں ہوتا ورنہ تو عرب ملکوں کے رہنے والے یہودی اور عیسائی بھی مسلمان ہی کہلاتے۔کیونکہ وہ لوگ عربی ہی بولتے ہیں' اور قرآن کی عربی کا مطلب ہم سے کچھ زیادہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

تو اگر مسلمان بھی قرآن کو صرف سمجھ لے اور دوسرے مذہب کے لوگوں کی طرح اس کی بتائی ہوئی باتون پر عمل نہ کرے تو بتایئے دونوں میں فرق کیا ہوا؟ مسلمان جو قرآن کو سمجھتا ہے۔اور غیر مسلم ہیں جو قرآن کو نہیں سمجھتے۔

اگر عمل نہ مسلمان کا قرآن کے مطابق' نہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کا۔اس طرح تو دونوں ایک ہی

سے ہو گئے۔اس لئے یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں' کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قران صرف سمجھنے کیلئے نہیں دیا۔ بلکہ اس پر عمل کرنے کیلئے دیا ہے۔

(بے شک اسکا پڑھنا بابرکت سمجھنا بامقصد اور عمل کرنا باعظمت ہے۔)

اگر آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ گرمی کا علاج پنکھا ہے تو اس کا مطلب صاف ہے کہ گرمی ہے ہاتھ میں پنکھا لے کر ہلائیں یا بجلی کا پنکھا ہو تو اس کا سوئچ آن کر کے اس کے سامنے بیٹھا جائے۔اب اگر کوئی شخص گرمی سے تنگ آ کر زبان سے پنکھا' پنکھا کہنا شروع کر دے یا یہ کہے کہ گرمی کا علاج پنکھا ہے گرمی کا علاج پنکھا ہے۔بس یہی الفاظ زبان سے ہزاروں بار رٹے چلا جائے تو کیا یہ الفاظ رٹنے سے اس کے بدن میں ہوا لگنی شروع ہو جائے گی؟اس طرح اس کی گرمی دور ہو جائے گی؟نہیں۔ٹھیک اسی طرح سمجھ لیں کہ قرآن پاک کے لفظ یا آیتیں بار بار دہرانے سے وہ مقصد پورا نہیں ہوتا جو اللہ کی منشا ہے۔سمجھ سمجھ کر بھی بار بار صرف بولتے رہنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔جب تک کہ اس سمجھی ہوئی بات کو اپنی روز کی زندگی کا ضروری حصہ نہ بنا لیں۔

آخر یہ قرآن کریم ہے کیا ؟

یہ کوئی جادو منتر کی کتاب نہیں۔بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ بتایا ہے کہ زندگی کس طرح گزارنی چاہیے۔انسان کے خیالات کیسے ہونے چاہئیں۔نیت یا ارادہ کیا ہو۔بات چیت کیسی ہو۔عمل کیسا ہو۔انسانوں کی برادری کے آپس میں تعلقات کیسے ہوں۔چھوٹوں' بڑوں اور برابر والوں کے ساتھ برتاؤ کس قسم کا ہو۔کن کن باتوں پر عمل کیا جائے اور کن کن باتوں سے بچنا چاہیے۔غرض اسی قسم کی بہت سی ضروری باتیں ہیں جو قرآن میں بتائی گئی ہیں۔ان پر عمل کرنے سے زندگی اچھی اور ستھری ہوتی ہے'اور ان کے خلاف چلنے سے زندگی خراب اور برباد ہوتی ہے۔جب کوئی حکیم کسی مریض کو نسخہ لکھ کر دیتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اس نسخے کو صرف سمجھ لے اور اس کو پڑھنا شروع کر دے'ایسا کرنے والا مریض تندرست نہیں ہوتا' بلکہ اگر ایسا کرے گا تو لوگ اس پر ہنسیں گے۔نسخہ لکھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکیم کی ہدایت کے مطابق وہ دوا منگوا کر اور بنوا کر استعمال کی جائے اور جو پرہیز بتائے اس پر بھی عمل کرے۔

یہی صورت قرآن کریم کی بھی سمجھیں۔اللہ تعالیٰ نے روح اور اخلاق کے بیماروں کے لئے جونسخہ تجویز فرمایا ہے۔اس کا نام قرآن مجید ہے یہ صرف اس لئے نہیں کہ اسے پڑھ کر اسے سمجھ لیا جائے بلکہ اس لئے ہے کہ اسے سمجھ کر اپنی زندگی کو اسی کی ہدایتوں کے مطابق بنالیا جائے۔پہلے اسکا علم حاصل کیا جائے اور پھر اس پر عمل کیا جائے۔

خرد نے کہ بھی دیا لا اِلہ تو کیا حاصل
دِل و نِگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

علم

اگر آپ نے اپنے شہر کا ریلوے اسٹیشن کبھی نہ دیکھا ہوا' اور آپ سے کہا جائے کہ وہاں کے اسٹیشن ماسٹر کو یہ خط دے آئیں' تو آپ کو بڑی مشکل کا سامنا ہوگا۔

آپ پہلے یہ پوچھیں گے کہ یہاں سے کہاں جائیں؟ سواری کہاں سے لیں؟ کس نمبر کی بس پر سوار ہوں جو اسٹیشن تک لے جاتی ہو؟ پھر اگر اس کمرے میں کئی آدمی ہیں تو معلوم کریں گے ان میں اسٹیشن ماسٹر صاحب کون ہیں۔ پھر ان کو خط دے کر واپس آ جائیں گے۔

اگر آپ کو کوئی آدمی یہ نہ بتائے کہ اسٹیشن کا راستہ کونسا ہے۔ کونسی بس وہاں جاتی ہے۔ اسٹیشن ماسٹر کا کمرہ کونسا ہے اور اسٹیشن ماسٹر کون ہے تو آپ بھٹکتے پھریں گے اور اپنا کام پورا نہ کر سکیں گے۔

اب یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ دنیا کا کوئی کام اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک پہلے آپ کو اس کی واقفیت نہ ہو۔ اسی واقفیت کا نام "علم" ہے گویا ہر کام سے پہلے اس کے متعلق علم ہونا ضروری ہے۔ آپ خود ہی سوچیں کہ جس دن آپ نے الف' ب یا اے بی سی شروع کی تھی کیا اسی دن آپ کو کتاب پڑھنی آ گئی تھی، جس روز آپ کو ایک دو تین کی گنتی سکھائی گئی تھی اسی روز آپ کو جمع تفریق ضرب اور تقسیم کا حساب آ گیا تھا؟ نہیں اب تک آپ نے جو کچھ سیکھا پہلے اسے سیکھنے میں کچھ دن لگے ۔اسی طرح آگے بھی آپ جتنا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس میں کچھ وقت لگے گا۔ جب آپ ہاکی یا فٹ بال کھیلتے ہیں تو گول کرنے کے لئے آپ کو کتنی محنت اور دوڑ دھوپ کرنا پڑتی ہے۔ اگر دھیرے دھیرے چلیں' تو گول کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

یہی حال علم کا بھی ہے، اگر علم حاصل کرنے میں سستی' کام چوری' غفلت اور بے پروائی سے کام لیں گے تو وقت زیادہ لگے گا اور علم تھوڑا حاصل ہوگا اور اگر خوب محنت کی' اور دل لگا کر کام کیا تو تھوڑے سے وقت میں زیادہ سے زیادہ علم حاصل کر لیں گے اور آپ کی زندگی شاندار اور کامیاب ہو جائے گی

انسان کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسے علم سیکھنے کی صلاحیت دی گئی ہے

(علم ادم الاسما کلھا) (2-31) "اللہ نے آدم کو تمام اشیاء کا علم دے دیا۔"

علم زبانی باتوں سے بھی سکھایا جاتا ہے۔ خلق الانسان علم البیان (55/3-4)

''اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے باتیں کرنا سکھایا''۔

تحریری:۔اور تحریر کے ذریعے بھی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (96/5)

''اس نے انسان کو لکھنا سکھایا' اور ان چیزوں کا علم دیا۔جن سے وہ واقف نہیں تھا''

بے علم:۔علم والا اور بے علم کبھی برابر نہیں ہو سکتے

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔۔(39/9)

''ان سے پوچھیں کہ کیا علم رکھنے والے اور بے علم دونوں ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟''

علم کی کوئی حد نہیں:۔اس لئے کسی وقت بھی یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہم نے ہر علم کو مکمل سیکھ لیا ہے' اب ہمیں کچھ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیشہ علم کی تلاش میں رہنا چاہیے اس لئے کہ

فوق کل ذی علم علیم (12/76)

''ہر علم والے کے اوپر کوئی نہ کوئی اور علم والا ہوتا ہے''

لیکن دنیا میں جتنے بھی علم ہیں وہ سب انسانی عقل کے پیدا کردہ ہیں اور انسانی عقل غلطی کرسکتی ہے۔اور اس میں کمی بھی رہ سکتی ہے ۔

علم میں دولت بھی ہے قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
اِک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ

وحی کا علم:۔ان تمام علوم کے اوپر اللہ کا علم ہے یہ وحی کے ذریعے رسولوں کو ملتا ہے۔ ہمارے رسول کریم ؐ کو جو علم اللہ کی طرف سے ملتا تھا۔ وہ قرآن شریف کے اندر ہے۔اس لئے قرآن کریم میں کوئی غلطی نہیں اور اس میں جو کچھ لکھا ہے بالکل یقینی ہے۔اور یہی اسلام کی بنیاد ہے۔

اسلام

وہ دیکھو۔سڑک پر حادثہ ہوگیا۔دو موٹریں ٹکرا گئیں۔لوگ جمع ہو گئے۔غنیمت ہے کہ جانی نقصان نہیں ہوا۔کسی کے چوٹ بھی زیادہ نہیں آئی۔اتنے میں پولیس کا سپاہی آ گیا۔اس نے آتے ہی بغیر کچھ پوچھ گچھ کئے ایک موٹر والے سے کہا قصور تمہارا ہے چنانچہ وہ اسے تھانے لے گیا۔اب اس پر مقدمہ چلے گا اور عدالت سے سزا ملے گی

آپ حیران ہونگے کہ سپاہی نے آتے ہی ایک موٹر والے سے کیسے کہہ دیا کہ قصور تمہارا ہے اور اس نے بھی بغیر کچھ کہے اسے تسلیم کرلیا۔بات صاف تھی۔سڑک پر چلنے کے لئے قانون یہ ہے کہ ہر شخص بائیں طرف چلے۔وہ موٹر والا' سامنے سے بائیں ہاتھ کی بجائے' دائیں طرف آ رہا تھا۔اس کا ایسا کرنا قانون کے خلاف تھا' اس لئے جرم کیا تو اب اسکی سزا بھی پائے گا۔دوسرا موٹر والا' قانون کے مطابق اپنے ہاتھ جا رہا تھا۔اس لئے اسے گرفتار نہیں کیا گیا۔

دوسری مثال:۔ہسپتال میں ایک لڑکا آیا۔اس نے آگ میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔جس سے اس کا ہاتھ بری طرح جل گیا۔اب وہ مارے درد کے چیخ رہا تھا۔اس کی بری حالت ہو رہی تھی۔اس کا باپ کہہ رہا تھا کہ ''اچھا ہوا'' اسے اپنے کئے کی سزا ملی۔ہم اسے روز سمجھایا کرتے تھے کہ آگ کے ساتھ نہیں کھیلا کرتے' لیکن یہ اس سے باز ہی نہیں آتا تھا۔اب جل گیا ہے تو آئندہ کے لئے اسے نصیحت آ جائے گی۔''

اس لڑکے کو کس بات کی سزا ملی؟ قانون کے خلاف چلنے کی۔شاید تم پوچھو کہ وہ کون سا قانون ہے جس کی اس نے خلاف ورزی کی ہے۔اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

آگ کی خاصیت یہ ہے کہ جو شخص اس میں ہاتھ ڈالے اس کا ہاتھ جل جائے گا۔اس کو بھی قانون کہتے ہیں۔پہلی مثال میں یہ قانون (کہ ہمیشہ دائیں ہاتھ کی طرف چلو) انسانوں نے بنایا ہے۔دوسرا قانون (آگ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ جلاتی ہے) اللہ کا بنایا ہوا قانون ہے۔اللہ نے اس قسم کے بہت سے قانون بنائے ہیں' جن کے خلاف چلنے سے انسان کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔اللہ کے بنائے قانون

کے مطابق زندگی بسر کرنے کو اسلام کہتے ہیں اور جو شخص اس طرح زِندگی بسر کرتا ہے' اسے مسلم (یا مسلمان) کہتے ہیں۔ انسانی زندگی سے متعلق قوانین' اللہ کی کتاب قرآن مجید میں محفوظ ہیں۔

آپ نے یہ بات بھی سمجھ لی ہوگی کہ قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان خود بھی امن اور سلامتی سے رہتے ہیں۔ اگر وہ موٹر والا' قانون کے مطابق' بائیں طرف چلتا تو خود بھی امن اور سلامتی میں رہتا اور دوسرا موٹر والا بھی امن سلامتی سے آگے چلا جاتا۔ اسلام کے معنی امن اور سلامتی کے بھی ہیں۔ جس طرح آپ یہ جانتے ہیں کہ ہماری اس دنیا میں بہت سے ملک آباد ہیں اسی طرح ان ملکوں میں بسنے والی قوموں کے'' مذاہب'' بھی بہت سارے ہیں جیسے ہندو مذہب' عیسائی مذہب' یہودی مذہب اور بہائی مذہب وغیرہ ایک خاص طریقہ سے پوجا پاٹ پرستش اور عبادت کرنا یا اللہ سے رابطہ یا تعلق قائم کرنا ہر مذہب میں ہے۔ مگر ہر مذہب میں اللہ کا تصور الگ الگ ہے اور عبادت کے طریقے بھی الگ الگ ہیں' لیکن ایک بات ان سب میں مشترک یعنی ایک جیسی ہے اور وہ یہ کہ انسان دنیا میں جو اچھے یا برے کام کرے گا' اس کا بدلہ مرنے کے بعد اسے ملے گا اور'' جنت'' صرف اسی مذہب کے ماننے والوں کو ملے گی جس کا وہ پیروکار یعنی ماننے والا ہوگا۔ دوسرے مذاہب والے خواہ کتنا ہی اچھا کام کریں' نیکی کریں' انسانوں کی خدمت اور بھلائی کریں وہ'' جہنم'' ہی میں جائیں گے۔

ایک بات اور ہے جو سارے مذہبوں میں ایک جیسی ہے اور وہ یہ کہ تمام مذہبوں کا تعلق دنیا کے کاموں سے نہیں ہوتا' یعنی حکومت کس کی ہو' ہماری سوسائٹی یا معاشرہ کیسا ہو' علم' سائنس' ترقی' فیشن، رواج اور زندگی گزارنے کے طریقے کیسے ہی کیوں نہ ہوں اور انہیں کیسے اختیار کیا جائے۔ ان باتوں سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مذہب انسان اور اللہ کے درمیان بالکل ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔

مگر'' اسلام'' مذہب نہیں ہے بلکہ یہ مذہب کے اس تصور کو مٹانے' کیلئے آیا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یہ اللہ اور بندے کے درمیان ذاتی تعلق کا نام نہیں ہے۔ نہ یہ پوجا پاٹ' پرستش کرنے کا نام ہے اور نہ اس کا تعلق صرف مرنے کے بعد زندگی سے ہے اور نہ ہی یہ خاص انسانوں کیلئے آیا ہے۔ یہ تو ساری دنیا کیلئے ہے' بلکہ قیامت تک آنے والی نسلوں اور قوموں کیلئے ہے اس کا تعلق'' مرنے کے بعد کی

زندگی'' سے بھی ہے اور ہماری موجودہ زندگی کے مسائل سے بھی۔۔۔۔یہ تعلق کیا ہے اور کس طرح قائم ہوتا ہے اس کے ماننے یا نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے اور ہم اسے کیوں مانیں ؟ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے۔

دراصل یہ ایک دین ہے جس پر عمل کرنے سے ہماری دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی دونوں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ یہ دین زندگی کے موجودہ حصہ اور اخروی حصے دونوں کی کامیابی کیلئے ٹھوس بنیاد فراہم کرتا ہے تا کہ اسے اپنانے والا ٹھوس اقدام اٹھائے اور ٹھوس نتائج حاصل کر سکے۔اس سے یہ زندگی کی تمام ضروریات اور مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر عمل کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔اور اپنے ماننے والوں سے عمل کا مطالبہ بھی کرتا ہے جبکہ مذہب کچھ عقائد کو محض مان لینے اور چند رسومات ادا کرنے کا نام ہے جبکہ دین تمام قوانین کو مان کر ان پر عمل کرنے کا نام ہے اور دین اپنی اصل حالت میں آج صرف اسلام ہی ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

مگر۔
نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور

اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے قوانین میں فرق

آپ نے ایسا بھی سنا ہوگا کہ موٹروں کی ٹکر ہوئی اور جس موٹر والے کا قصور تھا وہ موٹر بھگا کر لے گیا اور پکڑا نہیں گیا' اس لئے وہ سزا سے بچ گیا۔ اور اگر وہ پکڑا جاتا ہے تو بعض اوقات پولیس کو رشوت دے کر یا افسر کے پاس سفارش پہنچا کر' بھی سزا سے بچ جاتا ہے۔ جرم کر کے بھاگ جانا یا رشوت اور سفارش کے ذریعے اپنے حق میں فیصلہ لے لینا، بہت بری بات ہے۔ لیکن اس وقت جس مقصد کیلئے ہم نے یہ بات بیان کی ہے۔ وہ اور ہے' اسے غور سے سنیں!

موٹر والی مثال میں بعض اوقات مجرم' قانون کی خلاف ورزی کرنے کے باوجود سزا سے بچ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ انسانی قانون ہے۔ لیکن اب آپ ذرا دوسری مثال پر غور کریں۔

پچھلے مضمون میں جس لڑکے نے آگ میں ہاتھ ڈالا تھا وہ اگر کسی بند کمرے میں ایسا کرتا جہاں اسے دیکھنے والا کوئی نہ ہوتا تو بھی اس کا ہاتھ اسی طرح جل جاتا اور اسے اسی طرح درد ہوتا۔ وہ جہاں جی چاہے بھاگ کر چلا جاتا، درد اس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ وہ اگر چاہتا کہ کسی کو رشوت دے کر یا سفارش کروا کر' اس تکلیف سے بچ جائے تو ایسا کبھی نہ ہوسکتا۔ اسے اس کیلئے سزا مل کر رہتی۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون میں یہ بنیادی فرق ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرنے والا بعض وقت سزا سے بچ جاتا ہے' لیکن اللہ کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرنے والا کسی صورت میں سزا سے نہیں بچ سکتا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جرم کرنے والا سزا سے بچ جاتا ہے اور کسی بے گناہ کو سزا مل جاتی ہے' لیکن اللہ کے قانون میں ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آگ میں انگلی' میں ڈالوں اور درد کسی اور کو ہونے لگ جائے۔ جو آگ میں انگلی ڈالے گا درد اسی کو ہوگا کسی اور کو نہیں۔

انسانوں کے بنائے ہوئے قانون اور اللہ کے قانون میں دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ اللہ کے قانون میں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ جرم کرنے والے کو سزا نہ ملے اور بے گناہ مفت میں پکڑا جائے اور سزا پائے۔

(باب ایمان)

ایمان

ایک شخص کو تین دن سے کچھ کھانے کو نہیں ملا۔ بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا ہے۔ وہ اپنے ایک دوست کے ہاں جاتا ہے جو اس کے لئے گرما گرم پلاؤ کی پلیٹ لاتا ہے۔ وہ اس کی طرف لپک کر بڑھتا ہے۔ جلدی جلدی سے لقمہ اٹھاتا ہے اور منہ کے قریب لے جاتا ہے کہ اتنے میں ایک لڑکا بھاگا بھاگا آتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پلاؤ میں غلطی سے نمک کی جگہ سنکھیا پڑ گیا ہے۔ (سنکھیا زہر ہے جسے کھا کر انسان فوراً مر جاتا ہے)

آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ بھوکا اس پلاؤ کو کھا لے گا؟ وہ اسے کبھی نہیں کھائے گا۔ وہ بھوک کی سخت تکلیف برداشت کر لے گا لیکن اس لقمہ کو منہ میں نہیں ڈالے گا۔ وہ پلیٹ کو اٹھا کر پھینک دے گا۔ اس نے اس قدر سخت بھوک کے باوجود اس پلاؤ کو کیوں نہیں کھایا؟ اس لئے کہ اسے یقین ہے کہ اس کے کھانے سے وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اسے ہزار لالچ دیجئے وہ اسے کبھی نہیں کھائے گا۔ اس پر کتنی ہی سختی کیجئے وہ کبھی لقمہ منہ میں نہیں ڈالے گا۔

(یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے　　یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے)

اللہ کے قوانین پر اس قسم کے پختہ یقین کو ایمان کہتے ہیں اور اس قسم کے ایمان رکھنے والے کو مومن کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا انسان (یعنی مومن) ان تمام نقصانات سے محفوظ رہے گا جو ان قوانین کی خلاف ورزی سے پہنچ سکتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ ایمان کا لازمی نتیجہ امن اور سلامتی ہوتا ہے۔ لیکن مومن صرف اپنے آپ ہی کو ایسے نقصانات اور خطروں سے محفوظ نہیں رکھتا بلکہ وہ دوسروں کو بھی محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے مومن کے معنی ہیں، وہ شخص جس کی زندگی کا مقصد یہ ہو کہ وہ دنیا میں امن قائم کرے۔ چونکہ اللہ کے قوانین کے مطابق چلنے سے، دنیا امن میں رہتا ہے اس لئے اللہ کی ایک صفت المومن (59/23) بھی ہے۔ یعنی امن دینے والا۔

اس مثال میں یہ دیکھئے کہ جس بھوکے نے زہر ملے ہوئے پلاؤ کو نہیں کھایا اس سے اس کی بھوک کا علاج نہیں ہوا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کو عمدہ کھانا ملے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسان

کے لئے اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ خطروں سے محفوظ رہے اس کے لئے اس سے کچھ زیادہ بھی ضروری ہے ہم کوشش کریں گے کہ ایمان کے بارے میں جو کچھ بتائیں وہ قرآنی تعلیم کے عین مطابق ہو۔ تو ایمان کے عام معنی تو وہی ہیں تسلیم کرنا' ماننا' اطاعت کرنا وغیرہ لیکن قرآنی مفہوم کے مطابق یہ معنی نامکمل ہیں۔ قرآن صرف مان لینے' تسلیم کر لینے کو اندھا یقین کہتا ہے۔ قرآن کے نزدیک ایمان کے معنی ہوتے ہیں' عقل' علم اور غور و فکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچنا اور پھر اس کی سچائی کو دل سے تسلیم کرنا۔ یہ لفظ عربی زبان کا ہے اور عربی زبان میں اس لفظ کے معنی ایسے ''یقین'' کے ہیں جن میں کبھی بھی اور کسی بھی طرح کا کوئی شک ہو ہی نہ سکے۔

آپ نے کوئی نوٹ یا سکہ تو دیکھا ہے۔ یہ اگر ایک طرف سے سادہ یا خالی ہو تو بیکار ہوتا ہے نا؟ بھئی کسی کام ہی نہیں آ سکتا۔ اس سے تو ایک چنے کا دانہ بھی نہیں خریدا جا سکتا خواہ وہ نوٹ ایک ہزار روپے کا ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ''ایمان'' کے بھی دو رخ ہوتے ہیں جس طرح سکے دو رخ ہوتے ہیں یا نوٹ کے دو رخ ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی ایمان کے ایک رخ یا ایک حصہ پر یقین کرے یعنی ایمان لائے اور دوسرے حصہ کو نہ مانے یا زبان سے تو مانے لیکن دل سے تسلیم نہ کرے تو بھئی خواہ وہ کچھ بھی کرے' اس کا ایمان مکمل نہیں ہوگا اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرے گا۔ تو بھئی یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ایمان کے سکے کے دونوں رخ کیا ہوتے ہیں۔ ایمان کا پہلا رخ تو سامنے کی چیزوں پر یعنی ہماری زندگی سے متعلق جتنی بھی چیزیں ہیں ان پر دل سے یقین کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً ایسی چیزیں جنھیں ہم دیکھ سکتے ہیں' چھو سکتے ہیں' محسوس کر سکتے ہیں جیسے سردی ہے' گرمی' ہوا آگ' پانی' جسم' دن رات ہیں' زمین آسمان ہیں' زندگی اور موت ہے' ان سب چیزوں پر یقین کرنا۔ ایمان کی پہلی قسم یا پہلا رخ کہلائے گا۔ اور اس رخ پر دنیا کا ہر انسان خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم سبھی یقین رکھتے ہیں۔

لیکن دوسرا حصہ یا رخ وہ ہے جس پر ایمان لانے اور نہ لانے سے ایک انسان مومن یا کافر بنتا ہے اور وہ حصہ ہے ایسی بات پر ایمان لانا اور ایسی صداقت یا حقیقت کو تسلیم کرنا جسے ہم نہ پہلے دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں اور نہ محسوس کر سکتے ہیں۔ چونکہ اس پر ایمان لانے کا حکم اللہ اور اس کے پیارے رسولوں

نے دیا ہے لہٰذا اسے بھی دل کی گہرائیوں سے ماننا اور اس پر یقین کرنا' ایمان کہلاتا ہے ایسے ایمان کو "غیب پر ایمان لانا" کہتے ہیں۔ غیب کے معنی ہوتے ہیں۔ "وہ حقیقت جو نظر سے اوجھل ہو"۔

بھئی یہ ذرا مشکل بات ہوگئی۔ اچھا اسے اس طرح سمجھو کہ اگر کوئی آپ کو کھانے کیلئے کوئی چیز دے اور کہے کہ اس کے کھانے سے تم صحت مند ہو جاؤ گے۔ خوب صورت ہو جاؤ گے' یا کوئی ایسا ہنر یا کتاب بتائے اور کہے کہ اس پر عمل کرنے سے تم زمین کے نیچے کی باتیں یا آسمان کی باتیں جان جاؤ گے یا دولت مند بن جاؤ گے' اور آپ اس پر یقین کر لیں اور سچے دل سے عمل کرنے لگیں یعنی یہ جانے بغیر کہ واقعی ایسا ہوگا بھی یا نہیں۔ دل سے مان لیں کہ واقعی ایسا ہی ہوگا' جیسا بتایا گیا ہے۔ اس طرح کے یقین کو غیب پر ایمان لانا کہتے ہیں۔

بات یوں بنی کہ ایمان کے دو حصے یا رخ ہوتے ہیں ایک ان باتوں پر "یقین" کرنا جو ہم دیکھ سکتے ہیں اور محسوس کر سکتے ہیں اور ان باتوں پر "یقین" کرنا جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں اور جن کے متعلق ہم کچھ بھی نہیں جانتے' لیکن جن پر ایمان لانے اور یقین کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور وہ ہے مرنے کے بعد کی زندگی جسے آخرت یا عقبیٰ بھی کہتے ہیں' اور اسی کو اگلی یا دوسری دنیا بھی کہا جاتا ہے۔ البتہ ایمان لانے کے بعد جب ہم اللہ تعالیٰ کے قوانین پر عمل کرتے ہیں تو بہت سے قوانین ایسے ہیں جن کے نتائج ہماری اسی زندگی میں بھی سامنے آنا شروع ہو جاتے ہیں جنہیں انعامات یا ایمان کی برکت بھی کہہ سکتے ہیں بلکہ وہ نتائج تو ایمان لانے کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں جیسے خود بھی امن میں رہنا اور دوسروں کو امن میں رکھنا کتنا بڑا انقدا نعام ہے۔

دے کہ احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

آخرت پر ایمان

(جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں)

جانتے ہو آخرت کی زندگی کیا ہوتی ہے کہ جس پر ''ایمان'' لانے کا حکم دیا گیا ہے؟ بس اتنا اور سمجھ لو تو بات مکمل ہو جائیگی۔ ایک تو یہ زندگی ہے جو اس وقت ہم سب کے سامنے ہے اور جب انسان مر جاتا ہے تو بظاہر یہ زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں ہوتا' زندگی تو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ صرف جسم مرتا ہے اور جسم کے اندر جو ''ذات' زندگی یا روح'' ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے اور دوسری دنیا یا آخرت کا سفر شروع کر دیتی ہے

(ہے اگر ارزاں تو سمجھا اجل کچھ بھی نہیں جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں)

بھئی یوں سمجھ نہیں آئے گا۔ ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔ آپ سب نے بجلی کا بلب تو دیکھا ہی ہے نا؟ ہر گھر میں جلتا ہے۔ لیکن بھئی یہ خود تھوڑا ہی جلتا ہے۔ اس میں کرنٹ آ رہا ہوتا ہے' اور اگر کبھی بلب فیوز ہو جائے یا ٹوٹ جائے تو فیوز تو بلب ہی ہوتا ہے نا؟ کرنٹ تو نہیں مرتا ' وہ تو باقی یعنی موجود ہی ہوتا ہے۔ بس یہ جو ہمارا جسم ہے نا' یہ بھی بلب کی طرح ہی ہوتا ہے اور جو چیز یعنی کرنٹ کی طرح اسے زندہ رکھے ہوئے ہوتی ہے وہ روح ہوتی ہے جو مرتی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے رسول اس دنیا میں آئے اور سب نے یہی سمجھانے اور بتانے کا فرض ادا کیا جسم کی حفاظت دنیا کیلئے ہے۔ جیسے بھئی بلب کی حفاظت ظاہری روشنی کیلئے ضروری ہوتی ہے لیکن ''روح'' کی حفاظت آخرت کے لئے ہے' اور ''روح'' پر توجہ اس لئے زیادہ دینی چاہیے کہ آخرت میں موت تو کبھی بھی آئے گی نہیں' وہاں تو سب ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنا ہو گا اس لئے ''روح'' کو مضبوط بناؤ

(موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی!)

اور اس کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے' سوچتا ہے نا' اسی وقت سے اس کی سوچ اور عمل کا نتیجہ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے' اور اس کے نتائج اسی روح پر مرتب ہوتے رہتے ہیں وہ ان نتائج سے بچ نہیں سکتا' اگر جیتے جی نتیجہ سامنے نہ آ سکا تو مرنے سے نتیجہ رک نہیں جائے گا۔ بلک مرنے کے بعد

سامنے آجائے گا۔اس کو''مکافاتِ عمل'' کہتے ہیں۔یعنی اچھے کاموں کا اچھا نتیجہ اور برے کاموں کا برا نتیجہ۔

(موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات　　عام یوں اُسکو نہ کر دیتا نظامِ حیات)

جناب مجھے معلوم ہے آپ اب کیا سوچ رہے ہیں؟ یہی نا کہ ہم نے چپکے سے کوئی بات سوچی یا کوئی ایسا کام جو کسی نے بھی نہیں دیکھا تو بھلا اس کا نتیجہ اسی لمحے سے کیسے پیدا ہونا شروع ہو جائیگا؟ اسے یوں سمجھ لو کہ اگر کوئی بیج زمین میں بو یا جائے تو اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا لیکن وہ اندر ہی اندر بڑھنے لگتا ہے اور ہمیں اس وقت پتہ چلتا ہے۔جب زمین کا سینہ چیر کر باہر ابھر آتا ہے۔اسے''مکافاتِ عمل'' کہا جاتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں ہم نے جو سوچا یا عمل کیا چونکہ وہ کسی نے نہیں دیکھا۔لہٰذا اس کا نتیجہ بھی کوئی برآمد نہیں ہوگا' لیکن ہم بھول جاتے ہیں کہ اللہ نے''مکافاتِ عمل'' کا ایک قانون بنا رکھا ہے اور ساری کائنات میں وہ قانون جاری ہے۔جب ہم اپنی سوچ یا عمل کا بیج بوتے ہیں' بظاہر وہ نظر نہیں آ رہا ہوتا' مگر اپنا نتیجہ مرتب کر رہا ہوتا ہے اور جب ظاہر ہونے کا وقت آتا ہے تو وہ حالات کا سینہ چیر کر باہر آ جاتا ہے۔اچھے عمل کا اچھا نتیجہ' برے عمل کا برا نتیجہ اور جب سامنے آ جائے تو پھر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔جیسا کہ آپ کے امتحان کا رزلٹ آؤٹ ہو جانے کے بعد کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔بس یا تو طالب علم پاس ہوتا ہے یا فیل ہو جاتا ہے۔پھر نہ توبہ کام آتی ہے نہ دعا اور نہ ہی سفارش۔ تو اس حقیقت پر دل کی گہرائی سے یقین کرنا مکمل ایمان کہلاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسی طرح پانچ بنیادی باتوں پر مکمل ایمان لانے کی تاکید کی ہے۔(2/177) اللہ تعالیٰ پر ایمان' رسولوں پر ایمان' ملائکہ پر ایمان' تمام کتابوں پر ایمان اور مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان' ان پر ایمان لانے کا مطلب آپ''اللہ تعالیٰ' رسول' فرشتے' کتاب'' کے عنوانات میں دیکھیں گے اور مرنے کے بعد کی زندگی کے بارے میں آپ نے ابھی اسی مضمون میں''آخرت'' کے بارے میں پڑھتے ہوئے جان لیا ہوگا۔

(ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا　　حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں)

اللہ تعالیٰ

(سروری زیبا فقت اسی ذاتِ بے ہمتا کو ہے   حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری)

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہے جس نے کائنات کی ہر چیز مثلاً زمین آسمان' چاند' سورج 'ستارے' پہاڑ' سمندر اور جانور سب بنائے اور پھر انسان کو بھی بنایا اور اسے عقل سے نوازا مگر انسان تنہا عقل سے انسان کائنات اور زندگی کے تمام راز نہیں سمجھ سکتا۔

لہٰذا اپنے پیارے رسولوں اور اپنی کتابوں کے ذریعے اپنی طرف سے راہنمائی بھی دی تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہدایت کی روشنی میں عقل کے استعمال سے زندگی کے حقائق کو سمجھ سکے اور کائنات جو انسانوں کے فائدے کے لئے ہے اسے صحیح صحیح استعمال کر سکے کتنی عظیم ہے وہ ہستی جس نے سارا کام ہم انسانوں کے لئے بالکل مفت فراہم کیا۔ اب آپ پوچھیں گے کہ اللہ کہاں رہتا ہے؟ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟ ہمارا اس کے ساتھ تعلق کیا ہے؟ یہ جاننے کیلئے آپ کو قرآن کریم کا مطالعہ کرنا ہوگا' اس کے پہلے صفحے پر ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو سارے جہانوں کا پالنے والا بتایا ہے اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا جہان ہے۔ کائنات میں اس طرح کے بے شمار جہاں ہیں۔ جن میں نجانے کیا کیا مخلوق اباد ہے۔ جس کی گنتی کرنا ہمارے اور آپ کیلئے ممکن نہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ ان کروڑوں جہانوں کو پیدا کرنا اور تمام جاندار اور انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کا ہر وقت خیال رکھنا' ان کی پکار (سننا) ان کے لئے روشنی' پانی' ہوا اور دوسری ضروریات کا انتظام کرنا' کتنا بڑا کام ہے اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اتنی بڑی کائنات کا مالک خود کتنا عظیم ہوگا۔

اللہ وہ ہے جسے نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ اسے کسی مثال سے سمجھا یا جا سکتا ہے۔ اب ظاہر ہے اتنی بڑی ہستی کے متعلق ہم وہی کچھ جان سکتے ہیں جو اس نے اپنے متعلق خود بتایا ہے۔ ساری صفات بیان کرنا ممکن نہیں تاہم آپ کے مطالعہ کیلئے اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جن کا جاننا آپ کے لئے انتہائی ضروری

ہے' عام فہم لفظوں میں لکھی جا رہی ہیں۔

اردو ترجمے والا قرآن مجید آپ کے گھر میں یقیناً موجود ہوگا ان حوالوں کی مدد سے قرآن مجید کی ان آیات کا مطلب جاننے کی کوشش آپ خود بھی کریں۔تا کہ ذہن میں ابھرنے والے سوالات کا جواب قرآن مجید سے براہ راست حاصل کرنے کی مشق آپ کو ہو جائے۔اب سمجھیئے اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔رب العلمین :۔''رب'' کے معنی ہیں' پالنے والا' رزق مہیا کرنے والا۔نشونما دینے والا۔سامان زیست فراہم کرنے والا' اور عالمین کا مطلب ہے بہت سے زمانے اور بہت سے جہان۔عالمین جمع ہے عالم کی۔عالم۔جہان یا دنیا اور زمانہ کو کہتے ہیں تو رب العالمین کا مطلب ہوا تمام جہانوں کا پالنے والا۔''اس کے سوا اور کوئی ہستی ایسی نہیں جو سامان زندگی پیدا کرے

آیت نمبر(16/76) (27/64) (22/50)

احد۔:۔احد کے معنی تو واحد' یعنی ایک ہوتے ہیں۔لیکن قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں اس کے معنی ہیں''ایسا ایک جس کی کوئی مثال نہ دی جا سکے۔جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اس طرح ایک ہے کہ اگر ہم کسی بھی انسان یا شے کو اس کی کسی بھی صفت میں شامل کرینگے تو وہ شرک بن جائیگی' اور شرک وہ ہوتا ہے جس کے کرنے سے مسلمان' مسلمان ہی نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ ٹھہری کہ اللہ اس طرح ایک ہے کہ ہم انسانوں کی طرح نہ تو وہ کسی باپ سے پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ خود کسی کا باپ ہے یعنی نہ تو وہ خود کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مثال یا نظیر ہے۔(112/4)

دوسرا لفظ ہے صمد۔صمد ایسی چٹان کو کہتے ہیں جسے کوئی سر نہ کر سکے اور ایسی طاقت کو بھی کہتے ہیں۔جس کے سب محتاج ہوں اور ہر ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کریں۔

۳۔قریب۔مجیب ;۔ اللہ ہر مقام پر ہے اور انسان کی شہ رگ یعنی رگ جان سے بھی قریب۔(2/186)(34/50)اور مجیب کے معنی ہیں کہ جب بھی کوئی اللہ کو یعنی اس کے قانون کو پکارتا ہے تو اس کی پکار کو سنتا ہے اور فوراً اس کی رہنمائی کا سامان فراہم کر دیتا ہے۔(2/186)

)(11/61) پکارنا سے مراد اس قانون الٰہی پر عمل کرنا۔

بصیر:۔سب کچھ دیکھنے والا (57/4) یعنی اس کی نظر سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

سمیع:۔سب کچھ سننے والا (57/1)

خبیر:۔ہر بات کی خبر رکھنے والا۔(2/234)

علیم:۔ہر بات کا علم رکھنے والا۔(57/3) نگاہوں کی خیانت اور دل میں گزرنے والے خیال کا علم رکھنے والا۔(40/19)(50/16) کائنات کے تمام بھید اور رازوں کو جاننے والا۔

(10/61)(25/6) وہ باتیں جنھیں ہم سوچ بھی نہیں سکتے اور جو ہمارے حواس، علم اور نگاہوں تک سے پوشیدہ ہیں۔اللہ ان کا بھی علم رکھتا ہے۔(6/59) وہ اپنی مخلوق کے ایک ایک عمل سے باخبر ہے(36/79)

قادر۔قدیر:۔ان لفظوں کے معنی سمجھنے کیلئے تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے۔ان کے معنی تو سیدھے سادے ہیں، پیمانے مقرر کرنے والا بھئی قادر یا قدیر کے معنی اس طرح ہوئے کہ وہ ذات یا وہ ہستی جس نے کائنات میں ہر شے کیلئے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے قوانین کے مطابق سرگرم عمل رہتے ہیں، اور انہی کے مطابق ہر کام کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے ؟

تن بہ تقدیر ہے آج اُن کے عمل کا انداز تھی نہاں جن کے اِرادوں میں خُدا کی تقدیر

اور اب آئیں آپ کو ہم خدا اور اللہ تعالیٰ کے معنی کا فرق بتائیں۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ خدا کا نام ذہن میں آتے ہی ادب سے نگاہیں جھک جاتی ہیں۔یہ لفظ ہم دن میں کئی بار دہراتے ہیں۔جیسے ”خدا حافظ،، ”خدا کی قسم،، ”خدا جانے،، ”خدا خیر کرے،،۔لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ اس لفظ کا استعمال مسلمانوں کیلئے صحیح نہیں ”خدا،، فارسی زبان کا لفظ ہے۔اڑھائی ہزار سال پہلے ایران میں ایک قبیلہ آباد تھا۔جس کے رہنما کا نام زرتشت تھا۔وہ لوگ آگ کی پوجا کرتے تھے اور اپنے پیدا کرنے والے کو ”خدا،، کہہ کر پکارتے تھے۔ہم مسلمان جس ہستی کا حکم مانتے ہیں اس نے اپنا نام ہمیں ”اللہ،، بتایا ہے۔اس لئے ہمیں ہمیشہ یہی نام استعمال کرنا چاہیے۔

اپنے سے جدا ہونے والوں کو ''خدا حافظ'' کہتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ یہ صحیح جملہ ''اللہ حافظ'' ہے چلئے!
یہ تو طے ہو گیا کہ ہمارے پروردگار کا صحیح نام ''اللہ'' ہے۔ اسے الرحمن، الرحیم اور اسی طرح کے دوسرے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے لیکن یہ سب اس کے صفاتی نام ہیں اصل نام ''اللہ'' ہی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ

اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اس کو اسی کے ناموں سے پکارا کریں اور جو لوگ اس کے نام میں کجی اختیار کرتے ہیں، ان کو چھوڑ دیں، وہ جو کچھ کر رہے ہیں۔ عنقریب اس کی سزا پائیں گے۔

(7/179)

یاد رہے اللہ کے جتنے نام قرآن کریم میں ہیں۔ ان میں خدا کہیں نہیں ہے۔

سوال ہے کہ

کیا لفظ اللہ تعالی ادا کرنے سے اس لفظ کا مفہوم سمجھ نہیں آتا ؟

کہ اس کا ترجمہ خُدا کرنا پڑتا ہے ؟

آخر کیوں ؟

رسولؑ۔پیغمبرؑ

اب ہم رسولوں کے بارے میں بتائیں گے۔رسول کون ہوتے ہیں ان کے ذمہ کیا فرض ہوتا ہے‘اور وہ اپنا فرض کس طرح ادا کرتے ہیں؟اور یہ بات تو آپ کو معلوم ہے نا کہ جو بنیادی باتیں ہم آپ کو بتائیں گے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ صرف اور صرف قرآن کریم کے حوالوں سے بتائیں گے۔ایک بات بہت ہی غور طلب ہے اور ذہن میں رکھنے والی ہے۔وہ یہ ہے کہ جب آپ کوئی ایسی بات پڑھیں جو اس سے پہلے آپ نے نہیں سنی یا مختلف طریقے سے سنی ہے تو پریشان ہونے یا گھبرانے کے بجائے اس کی تصدیق (حوالوں کے ذریعہ سے) قرآن کریم سے خود کرلیا کریں۔اس طرح غور وفکر کی عادت بھی پڑ جائے گی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہزاروں ایسی باتیں ہیں کہ جو قرآن کے مطابق نہیں ہیں اور غلط طریقے سے ہم تک پہنچی ہیں۔

ازل سے یعنی جب سے یہ دنیا بنی ہے۔اس وقت سے ہمارے محترم رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک لاکھوں رسول مختلف زمانوں میں پیدا ہوئے۔مختلف ملکوں میں پیدا ہوئے۔ان سب کا تعلق بھی مختلف نسلوں‘قوموں اور قبیلوں سے تھا اور ان کی زبانیں بھی مختلف تھیں لیکن ان سب کی تعلیم ایک تھی۔ان کی زندگی کا مقصد بھی ایک تھا۔فرض بھی ایک تھا ان کے پاس اللہ کا پیغام بھی ایک تھا۔بھئی یہ سب رسول ‘ایک اللہ کے ہی پیغام بر تھے نا۔اس لئے ان کے پاس انسانوں کے لئے پیغام ایک ہی تھا۔ہدایت بھی ایک ہی تھی اور ان کا نظریہ حیات بھی ایک ہی تھا۔(نظریہ حیات کا مطلب ہوتا ہے۔زندگی کو کسی مخصوص اور سوچے سمجھے‘متعین کئے ہوئے طریق سے بسر کرنا) چنانچہ جتنے بھی رسول آئے۔سبھی ایک جیسی عزت اور احترام کے لائق ہیں۔سبھی اللہ کے سفیر اور نمائندے ہیں اور مختلف زمانوں اور زبانوں کے باوجود ایک برادری‘ایک جماعت اور ایک امت ہیں۔(21/96)اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کی ہدایت کے لئے رسول نہ بھیجا گیا ہو۔(10/47)(6/42)(23/44)۔

آپ کو یہ بات بڑی عجیب لگے گی کی ان سب رسولوں کی امتیں بھی علیحدہ علیحدہ نہیں تھیں۔ بلکہ ان رسولوں پر جو لوگ ایمان لائے وہ سب بھی ایک ہی امت کہلائے۔یعنی ہر رسول کی اپنی اپنی امت نہیں تھی۔اس بات کو یوں سمجھ لیں کہ چونکہ اللہ ایک ہے۔اس کے تمام رسولوں کے پاس انسانوں کی راہنمائی اور ہدایت کا پروگرام بھی ایک ہی تھا۔ان کا نظریہ زندگی بھی ایک تھا۔لہٰذا ان کے نظریہ کو اپنانے والے (خواہ وہ کہیں بھی ہوں اور کسی بھی زمانے میں ہوں) ایک امت کہلائے (23/52-53) ابتدا میں تمام انسان ایک ہی طریقے سے زندگی گزارتے تھے اور ایک ہی مسلک پر چلتے تھے۔ پھر یہ (فرقوں اور پارٹیوں یا قبیلوں میں) بٹ گئے اور ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے (10/19) تو ان اختلافات کو مٹانے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام یعنی رسولوں کو بھیجا۔(2/213) اس سے یہ بات آسانی سے سمجھ آجاتی ہے کہ دنیا کے سارے انسانوں کو ایک برادری بن کر رہنا چاہیے اور فرقوں میں نہیں بٹ جانا چاہیے۔اسی بنیادی مقصد کی تکمیل کے لئے یعنی فرقوں' برادریوں اور مختلف پارٹیوں میں بٹے ہوئے لوگوں کو "ایک امت" بنانے کیلئے ہی اللہ تعالیٰ کے رسول اس دنیا میں آئے اور ان تمام رسولوں کا ایک ہی منصب (فرض) تھا کہ وہ لوگوں کو ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتے تھے اور صحیح روش کے خوشگوار نتائج کی خوشخبری دیتے تھے۔

اچھا بھئی ایک بات کی وضاحت کر دیں کہ رسول انسانوں سے مختلف کوئی چیز نہیں ہوتے۔ بلک انسانوں کی طرح ہوتے تھے۔(22/75) خود ہمارے پیارے نبی ﷺ بھی انسان ہی تھے۔(61/6) مزے کی بات یہ ہے کہ ہر رسول نے یہی کہا کہ بھئی میں تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں بلکہ آپ ہی میں سے ایک ہوں۔اس کے باوجود ہر دور کے لوگوں کو یہی اعتراض ہوتا تھا کہ ایک بشر رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے دیا' فرمایا۔

"اگر زمین پر' ملائکہ" فرشتے بستے تو ہم کسی ملائکہ (فرشتے) کو رسول بنا کر بھیجتے۔(17/95) چونکہ یہاں انسان بستے ہیں اس لئے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔تا کہ لوگ سمجھ لیں کہ اس (رسول کا) پیش کردہ نظام' انسانوں کیلئے عمل میں لانا ناممکن نہیں ہے۔کیونکہ وہ (رسول) خود عمل کر کے دکھا رہا ہے"۔

اس سے آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا'' یہ رسول (نبی کریمؐ) ایک انسان ہے اور اس سے پہلے بھی جتنے رسول آئے وہ بھی عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور اپنے وقت پر وفات پا جاتے تھے'' (21/8)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا ''آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں۔ اس فرق کے ساتھ کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے ''وحی'' آتی ہے''۔

(18/110)(41/6) یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ کوئی بھی رسول وحی یعنی اللہ کے احکامات میں اپنی طرف سے ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں کرتا تھا۔ ہر رسول کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی جو پروگرام دیا اس کو عمل میں لانے کیلئے ہر رسول نے جو دکھ اٹھائے' مصیبتیں جھیلیں' محنت اور مشقت اٹھائی۔ کسی ایک نے بھی اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ یہ بات اس قدر اہم ہے کہ قرآن کریم میں اس کا ذکر اٹھارہ مرتبہ سے زیادہ مقامات پر آیا ہے۔ چند یہ ہیں۔

(6/91)'(10/72)'(11/29)'(11/51)'(12/104)'(23/72) اس سے یہ بات بھی نکھر کر سامنے آ گئی کہ ہر پروگرام عام انسانوں ہی کے انداز میں دکھ جھیل کر محنت مشقت سے تکمیل تک پہنچانا ہوتا تھا۔

یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ کسی بھی رسول کو ایک منٹ پہلے تک یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اللہ نے انہیں اپنا رسول منتخب کرنا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ پیدائش سے لے کر وحی ملنے تک ان کا کردار مثالی اور منفرد ہوتا تھا۔ لوگ انہیں اپنے سے افضل اور ہر معاملے میں بہتر سمجھتے تھے۔

لیکن جونہی وہ لوگوں تک اللہ کے احکامات پہنچاتا اور انہیں غلط راستے پر چلنے سے روکنا شروع کرتا وہی لوگ اسے ساحر اور مجنون کہنے لگتے تھے۔ بھئی ''ساحر'' اور مجنون' ان دو لفظوں کے معنی سمجھنا بہت ضروری ہے۔ عام طور پر ''ساحر'' جادوگر یعنی سحر کرنے والے کو کہتے ہیں۔ لیکن اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں۔ کسی بات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا' جھوٹ' دھوکا' مکر کرنا۔ چنانچہ ''ساحر'' کے معنی ہوئے' جھوٹا' دھوکے باز یاد رکھیے قرآن میں جہاں بھی سحر یا ساحر کا لفظ ایا ہے۔ جادو یا جادوگر کے معنی میں نہیں آیا۔ بلکہ جھوٹا اور دھوکے باز کے ہی معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کو ''ساحر'' اور مجنوں کہا گیا (51/39)۔ حضرت صالحؑ کیلئے کہا گیا (62/153) حضرت شعیبؑ کیلئے کہا

گیا (26/185)۔حضرت عیسیٰؑ نے بشارت دی کہ میں تمہیں ایک آنے والے رسول (احمدؐ) کی بشارت دیتا ہوں' تو انہوں نے کہا ''یہ سحر مبین'' ہے (61/6) یعنی سراسر کھلا جھوٹ ہے۔

ہر رسول کو جھوٹا اور دیوانہ یعنی ''ساحر'' اور مجنوں'' کہا گیا۔ حضرت نوحؑ کو یہی کہا گیا۔ (23/25)(54/9)۔فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو یہی کہا (26/27)(51/39) رسولؐ اللہ کو بھی مجنوں کہا گیا۔(15/6, 23/70 , 68/51)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''نہیں ہرگز نہیں''۔ یہ رسول ''ساحر'' یا مجنوں'' نہیں ہوتے۔ اور نہ ہمارے حضورؐ کاہن یا مجنوں تھے۔(81/22,52/29)۔

اوراب آخر میں تمام رسولوں کی بنیادی تعلیم ایک مرتبہ پھر دہرا دیں۔ سب نے ہر دور کے انسانوں کو ایک ہی بات سمجھائی کہ اللہ ایک ہے۔ وہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور تمام جہانوں کا مالک و مختار ہے۔ ساری مخلوق' سارے ہی انسان' اللہ کے محتاج ہیں۔(35/15) وہی رب الناس' ملک الناس اور اله الناس ہے۔(114/1-2)۔ ساری کائنات میں اسی کا غلبہ اور اقتدار ہے۔ یعنی وہی حاکم مطلق ہے۔ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دنیا کے کسی بھی کونے یا خطہ زمین پر حکومت کرے حکومت صرف اور صرف اللہ کے قوانین' یعنی کتاب اللہ کی ہوگی۔ ساری کائنات میں دوسری ایسی کوئی ہستی نہیں ہے۔ جس کی اطاعت اور عبادت کی جائے۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ کے قانون کے بجائے اپنا حکم یا اپنے قوانین کی پابندی کرائے ولقد کرمنا بنی آدم اور دنیا کے تمام انسان (عورت اور مرد) برابر کی عزت اور تکریم کے مستحق ہیں۔ یعنی انسان ہونے کے ناطے سے عورتیں ہرگز ہرگز مردوں سے کم تر نہیں ہیں۔ ہر قسم کی غلامی۔ چاہے کسی کی حکمرانی کی ہو یا اپنے جذبات کی ہو یا خواہشات کی' کفر ہے شرک ہے۔(28/50) ہر وہ چیز ''حرام'' ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔(6/3-4) انسان اسی کا حقدار ہے' جس میں انسان کی اپنی محنت شامل ہو۔(53/39) فرقہ بندی بدترین شرک ہے۔ فرقہ پرست مسلمان نہیں رہتا' یہ تھے رسولوں کے اہم ترین بنیادی پیغام جو کہ ہمیشہ کیلئے کارآمد تھے۔ مگر جب کوئی رسول اس دنیا سے وفات پا جاتا تھا تو ان کے بعد لوگ انکے پیغام میں تبدیلی اور کمی بیشی کر دیتے تاکہ اپنی مرضی اس میں کچھ شامل کر لیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی تعلیم کو از سر نو خالص ایک اور رسول کے ذریعے دوبارہ انسانوں تک پہنچا دیتا۔ حتیٰ کہ ہمارے آخری رسول کریمؐ دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اپنی

آخری اور مکمل کتاب قرآن کریم انسانوں کی ہدایت کے لئے تھوڑی تھوڑی بھیج کر ۲۳ سال میں مکمل کر دی اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محفوظ کر کے اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا۔ جو کہ قیامت تک موجود رہے گی۔

(ملائکہ (فرشتے)

اب ہم آپ کو "فرشتوں" کے بارے میں بتائیں گے۔ فرشتے کون ہوتے ہیں؟ ہماری دنیا اور ہماری زندگی سے ان کا کیا تعلق ہے؟ فرشتوں پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟ اور اسی طرح کی بہت سی دوسری باتیں بھی، آپ کے لئے دلچسپ معلومات کا باعث بنیں گی۔

سب سے پہلے تو ہم یہ بتادیں کہ جس طرح خدا فارسی کا لفظ ہے قرآن کریم یا عربی کا لفظ نہیں ہے۔ اس طرح فرشتہ کا لفظ بھی ترجمہ ہے۔ فرشتوں کے لئے قرآن میں "ملائکہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور عربی زبان یا قرآنی لغت میں اس لفظ کے ایک معنی ہیں۔ "پیغام لے جانے والے" اور قوت۔ طاقت مطلب یہ ہوا کہ ہماری دنیا اور اس کائنات کو جس میں بے شمار دنیائیں آباد ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ جن ملکوتی قوتوں کے ذریعے چلا رہا ہے، ان قوتوں کا نام "ملائکہ" ہے ملائکہ انسانوں جیسی کوئی مخلوق نہیں ہوتے، بلکہ ملائکہ ایسی قوت کو کہتے ہیں جو رب نے کسی خاص مقصد کے لئے بنائی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ اپنی مرضی سے کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ انہیں انسانوں کی طرح نہ تو اللہ نے کوئی اختیار دیا ہے اور نہ ارادے کا مالک بنایا ہے۔ اللہ اپنے پروگرام کی تکمیل کے لئے ان ملائکہ (قوتوں) سے جو کام لینا چاہتا ہے یہ اس کی تکمیل کرتے ہیں، اور ان کے پاس علم صرف اتنا ہوتا ہے کہ جتنا اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کے لئے اللہ نے انہیں دیا ہوتا ہے۔ (2/32) قرآن کریم کی ایک سورة (19/64) میں اسی بات کو اور وضاحت کے ساتھ اللہ نے دہرایا ہے۔ "ملائکہ" اپنی مرضی سے کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ یہ امر ربی یعنی اللہ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں"۔

آپ میں سے ہر ایک نے ٹیلی ویژن تو ضرور دیکھا ہوگا۔ اس ٹیلی ویژن سیٹ پر آنے والے کارٹون ڈرامے اور مناظر بھی دیکھے ہوں گے، اور مختلف لوگوں کو مختلف کام بھی کرتے دیکھا ہوگا۔ ان کارٹونوں اور ڈراموں میں جو لوگ کام کرتے ہیں۔ وہ سب اپنی مرضی سے نہ روتے ہیں نہ ہنستے ہیں نہ

کوئی کام کرتے ہیں ۔ وہ تو بس وہی کرتے ہیں جو انہیں ہدایتکار کہتا ہے ۔ اسی طرح کچھ آلہ جات اور کچھ ان دیکھی قوتیں ہوتی ہیں ۔ جو انسان کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق ٹیلی ویژن اسٹیشن کے بند کمرے میں ہونے والے پروگرام کو گھر گھر رکھے ہوئے ٹی وی سیٹ کی اسکرین پر نمایاں کر دیتی ہیں اور انسان کے مقاصد کی تکمیل کر دیتی ہیں اس طرح ہزاروں لاکھوں اور چیزیں ہیں ۔ ٹیلی فون ۔ مائیک ۔ سپیکر ۔ کمپیوٹر ۔ ٹائپ رائٹر ۔ وی سی آر ۔ ریڈیو ٹرانسسٹر ۔ موبائل فون واکی ٹاکی ۔ ریموٹ کنٹرولز ۔ اور ملوں اسپتالوں' کارخانوں میں بڑی بڑی خودکار مشینیں ۔ یہ سب دراصل ایسی قوتیں ہیں جو انسان کے کسی نہ کسی مقصد کی تکمیل کرتی ہیں ۔ لیکن اپنی طاقت کے استعمال اور مظاہرے پر انہیں کوئی اختیار و ارادہ حاصل نہیں ہوتا ۔ بس اسی طرح ملائکہ ہوتے ہیں' جو اللہ کے پروگرام کی تکمیل کرتے ہیں ، اور ان کی قسمیں بھی بے شمار ہیں ۔ کچھ محسوس ہوتی ہیں یعنی انہیں دیکھا جا سکتا ہے اور چھوا بھی جا سکتا ہے' اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جو نظر نہیں آتیں ۔ جناب آپ کو دلچسپ بات بتاؤں آپ حیران رہ جائیں گے ، یہ جان کر کہ یہ قوتیں صرف کائنات اور ہماری دنیا ہی میں نہیں ہوتیں ہم انسانوں کے ساتھ بھی ہوتی ہیں اور جدید اصطلاح میں ہم انہیں' نفسیاتی قوت بھی کہہ سکتے ہیں ۔ بھئی یہ جو بات ہے نا' یہ ذرا سی مشکل ضرور ہے مگر ہے مزیدار اور سمجھنے والی' یاد رکھنے والی ہے یہ جتنی بھی قوتیں ہیں نا ۔ یعنی جو محسوس کی جا سکتی ہیں یا غیر محسوس وہ فطرت کی قوتیں کہلاتی ہیں ۔ یہ ساری کی ساری جن کی ہیئت' قامت' اور دہشت سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو انسان کے سامنے جھکا دیا اور انسان کو ان سب سے افضل قرار دیا ہے ۔ آپ سب نے قرآن کریم میں پڑھا ہوگا کہ اللہ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ انسان کو سجدہ کریں اور پھر سارے ملائکہ انسان کے سامنے جھک گئے تو بھئی اس کا یہی مطلب ہے ان سب ملائکہ کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ۔ یعنی انسان ان قوتوں کا علم حاصل کر سکتا ہے اور ان کو اپنی مرضی کے تابع کر سکتا ہے ۔ یعنی جو چاہے ان سے کام لے سکتا ہے' ورنہ بھئی سجدہ تو سوائے رب العلمین کے کسی کو کرنا جائز ہی نہیں ہے' اور اس بات کی وضاحت خود اللہ تعالیٰ نے بھی کر دی ہے کہ ''ہم نے ان سب کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے ۔ تم ان سب کو اپنے سامنے جھکا سکتے ہو اس لئے کہ آدم (انسان) مسجود ملائکہ ہے اور مومن وہ ہے جو اس حقیقت ایمان بھی لے آئے''۔

ایک دلچسپ بات اور آپ کو بتائیں' اور وہ یہ کہ ''ملائکہ'' کا خاص نزول صرف رسولوں پر ہی ہوتا تھا جبکہ عام نزول انسانوں پر بھی ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے مگر کن پر ہوتا ہے؟ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

''جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس دعوے پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں' ان پر اسی دنیا میں ''ملائکہ'' کا نزول ہوتا ہے''۔(41/30)

یہی نہیں جناب! اللہ تعالیٰ نے تو ایک اور چونکا دینے والی بات کہی ہے' فرمایا ہے!

''مومنین پر (یعنی قرآن کریم کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں پر) ''ملائکہ'' سلام اور صلوٰۃ بھیجتے ہیں''۔ (33/43) جس طرح رب العزت نے خود اپنے بارے میں جتنا بتایا ہے اس سے زیادہ اس کے بارے میں کوئی کچھ بتا ہی نہیں سکتا' بالکل اسی طرح اللہ نے جتنا ملائکہ کے بارے میں وحی کے ذریعے سے ہمیں بتایا ہے اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ جیسے جیسے انسانی علم بڑھ جائے گا قرآن کریم کے راز مزید کھلتے جائیں گے تو مزید بھی کچھ کہا جا سکے گا۔

کِتاب

محمد بھی جبرئیل بھی قرآن بھی تیرا   مگر یہ حرف شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

جب ہم الگ الگ ورقوں (اوراق) کو ترتیب سے یعنی نمبر وار اکٹھا کر دیتے ہیں اور انہیں آپس میں جوڑ دیتے ہیں یا دھاگے سے سی دیتے ہیں تو اوراق کے مجموعے کی وہ شکل ''کتاب'' کہلاتی ہے۔ یہ تو کتاب کے عام معنی ہوئے لیکن کتاب کے بنیادی معنوں میں کچھ اور مفہوم بھی شامل ہے۔ کتاب کے ایک معنی قانون بھی ہوتے ہیں اور دنیا میں جتنے بھی رسول آئے اور ان پر اللہ کی طرف سے جو ''وحی'' نازل کی گئی اس وحی کو بھی کتاب کہتے ہیں۔

اور بھی قرآن کریم کو بھی کتاب کہا جاتا ہے (2/2) تو کتاب کا ایک مطلب تو ہوا ''اوراق کا مجموعہ'' دوسرا مطلب ہوا ''قانون'' اور تیسرا مطلب ہوا۔ نبیوں کی طرف بھیجی جانے والی ''وحی''

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح کوئی بھی نبی وحی کے بغیر نبی نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح کتاب کے بغیر بھی کسی نبی کا تصور کرنا غلط ہوگا۔ یعنی کوئی بھی نبی ایسا نہیں ہے جسے کتاب وحکمت عطا نہ کی گئی ہو۔ سارے ہی نبیوں کو کتاب عطا ہوئی تھی۔ (2/213)(3/80)(6/90)(57/25) اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ جو ہماری مقدس کتاب قرآن حکیم ہے نا۔ زندگی گزارنے کے لئے قانون بھی ہے اور نیک وبد میں تمیز کرنے والی کتاب بھی ہے اور جناب یہ بھی پتا چلا کہ ہم سب انسانوں کے لئے کیا چیز فائدہ مند ہے اور کیا چیز نقصان پہنچانے والی ہے اور کس کو اپنانا چاہیے یہ واضح کرنے کیلئے یہ ایک روشن ہدایت بھی ہے۔

''واضح اور روشن کتاب'' (5/15) ہر اعتبار سے مکمل اور مفصل کتاب (6/115)

یہ بھی یاد رکھنے والی بات ہے کہ عربی میں کتاب کا لفظ واحد اور جمع دونوں صیغوں کے لئے آتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں کتاب کا لفظ جمع کے لئے آیا ہے۔ اس کے لئے حوالے دیکھئے (3/79

)(4/136)(5/48)اور(57/25)۔ایک بات اور بتا دیں کہ قرآن کریم میں بعض مقامات پر کتاب کے لئے ایک لفظ اور بھی استعمال ہوا ہے۔اور وہ ہے کہ ''صحف''۔مثلاً صحف موسیٰؑ (53/36)صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ (87/19) ''صحفا مطہرہ''(98/2)وغیرہ۔

یہاں تک تو آپ سمجھ گئے کہ کتاب کسے کہتے ہیں۔اس کے معنی کیا ہوتے ہیں اور تمام پیغمبروں پر جو وحی نازل ہوتی تھی۔وہ بھی کتاب ہی کہلاتی ہے اور اور اس کے بعد جو بہت ہی اہم اور کبھی نہ بھولنے والی بات ہے، وہ ہے یہ سمجھنا کہ کتابیں کیوں لکھی جاتی ہیں۔ہماری زندگی سے ان کا تعلق کیا ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے بھیجی جانے والی کتاب کا مقصد کیا ہوا کرتا ہے۔

یہ تو آپ سب ہی جانتے ہیں کہ زمانہ یعنی وقت کبھی رکا نہیں رہتا۔ہمیشہ آگے ہی آگے بڑھتا رہتا ہے۔ہمیں آج بہت سی چیزوں کا احساس اور اندازہ نہیں ہوتا۔اس لئے کہ ہم ترقی یافتہ دور میں رہ رہے ہیں، لیکن ابتدائی دور کے انسان کو تو پتہ ہی نہیں تھا کہ جینے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے یعنی زندگی مزید اچھی کیسے گزاری جاسکتی ہے ؟ رزق کس طرح اور کہاں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔موسموں کی شدت اور خطرات سے کیسے بچا جاسکتا ہے۔رہنے کے لئے گھر کس طرح محفوظ بنائے جاتے ہیں۔غرض چھوٹی چھوٹی سی ضروریات زندگی کس طرح اور کہاں سے پوری کی جاسکتی ہیں۔اس کے لئے مدتوں تک انسان نے سوچا، غور کیا، اور پھر ان سوچوں اور غور و فکر کے نتیجہ میں جو سمجھا اس پر عمل کر کے دیکھا۔جو باتیں، سوچوں کے مطابق صحیح نکلیں اور ان سے فائدہ ہوا تو سب سے پہلے ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ باتیں محفوظ کیسے رکھی جائیں۔بہت دیر تک یاد تو رہ نہیں سکتی تھیں۔تو انسان کو ایک اور خیال سوجھا یعنی ایک اور ترکیب سمجھ میں آئی۔اس نے ان باتوں کو کہانی میں ڈھال لیا۔بھئی کہانیاں تو یاد رہتی ہیں نا۔اس وقت تک لکھنا پڑھنا تو کسی کو بھی نہیں آتا تھا۔بس یہی طریقہ تھا کہ ہر بات کی کہانی بنا لیتے تھے اور اس کہانی میں ایک ایسا کردار بنا لیا کرتے تھے، جو بہت سیانا یعنی عقل مند ہوتا تھا، جو دوسرے نا سمجھ اور ناواقف لوگوں کو کام کی باتیں بتایا کرتا تھا۔باتوں باتوں میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کہانیاں کس طرح بنیں اور کس طرح لکھے جانے کا رواج ہوا۔چلیں اب یہ بھی بتا دیں کہ اب تک کی انسانی معلومات کے مطابق دنیا کی سب سے پہلی کہانی کس نے لکھی تھی۔یہ ''کہانی'' یونان کے ایک شخص ''گول گمش'' یا

جلجامش نامی آدمی نے ایک چٹان پر تصویروں کی شکل میں نوکدار پتھر یا کسی دھات سے کندہ کی تھی جو آج بھی موجود ہے اور ایک گرُ یعنی عقل کی بات اور بتادیں کہ جو بات ہمیشہ کے لئے یاد رکھنی ہو اس بات کی آپ بھی ایک کہانی بنالیں، بس سمجھ لیں کہ وہ ذہن سے کبھی نکلے گی ہی نہیں۔تو جناب جب لکھنا پڑھنا عام ہوگیا تو جو کوئی بھی زندگی گزارنے کا بہتر طریقہ سوچتا یا کوئی چیز ایجاد کرتا اسے لکھ لیتا یا اس کی کہانی بنالیتا۔ان تجربوں،سوچوں اور کہانیوں کی کتابیں بن جاتیں جو آنے والے لوگوں کے لئے کام آتی ہیں اور زندگی کو آسان بناتیں،تو کتابوں کا کیا مقصد سامنے آیا؟ معلوم یہ ہوا کہ کتابیں تجربوں کا نچوڑ ہوتی ہیں اور تجربے اس لئے کئے جاتے ہیں تاکہ انسان اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بناتا چلا جائے اور خطروں سے محفوظ رہ سکے۔یہ تو ہوئی عام کتابوں کی بات۔

(تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو کتاب خوان ہے صاحبِ کتاب نہیں)

یہ بھی جان لیں کہ یہ جو آسمانی کتابیں ہوتی ہیں۔یعنی اللہ جل شانہُ کی طرف سے جو وحی نبیوں کو ملتی ہے اور جسے کتاب ہی کہا جاتا ہے۔وہ کیا ہوتی ہیں اور کس لئے ملتی ہیں،اسے مختصر یوں سمجھیں کہ اللہ نے انسان کو بہترین مخلوق کہا ہے۔(23/115)۔انسان کا عظیم ترین وصف یہ ہے کہ اسے عقل عطا کی گئی ہے۔اس عقل سے کام لے کر انسان اپنے ارادوں اور خواہشوں کی تکمیل کرتا ہے لیکن عقل انسان کو نیک و بد ،اچھے برے یا صحیح غلط کی تمیز نہیں سکھاتی۔

(صبح ازل مجھ سے کہا جبرئیل نے جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول)

آپ کو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوگی کہ عقل انسان کی رہنمائی نہیں کرتی بلکہ انسان جو بھی کرنا چاہتا ہے،عقل اس کے لئے جواز،دلیل یا راستہ سمجھا دیتی ہے۔مثلاً کوئی جھوٹ بولنا چاہتا ہے تو عقل اسے روکے گی نہیں بلکہ فوراً طریقہ سمجھانے لگے گی کہ کس طرح بولا جائے۔پکڑے جانے کی صورت میں کیا بہانہ یا جواز بنایا جائے اور فرار یا بچاؤ کی کیا صورت اختیار کی جائے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ عقل انسان کو گمراہ بھی کرسکتی ہے۔چونکہ وہ تو انسان کے تابع ہے اور انسان کے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔بھئی جو چیز تابع ہوتی ہے۔وہ راہنما ہو ہی نہیں سکتی عقل تو انسان کی خواہشوں کی غلام ہوتی ہے۔لہٰذا رہنمائی کے لئے کوئی ایسی چیز یا طاقت ہونی چاہیئے جو عقل سے بلند تر ہو اور وہ تو بھئی صرف اللہ کی ذات ہی ہوسکتی

ہے جو ہر لحاظ سے بلند۔ کامل یعنی مکمل اور سچی راہنما ہے۔ چنانچہ جب بھی انسان نے صرف عقل پر بھروسہ کیا اور عقل کو راہنما بنایا تو اس نے آسانیوں کی بجائے اپنے لئے مشکلیں پیدا کرلیں۔ صحیح سمت سے بھٹک گیا اور نہ صرف اپنے لئے بلکہ آنے والی نسلوں کیلئے بھی تباہی کا سبب بن گیا، تو رب العزت نے ہر زمانے میں رسول بھیجے۔ (6/42)

(10/47)(23/44) ان رسولوں کو کتاب (وحی) عطا کی (2/213) ہر رسول نے انسان کو سمجھایا کہ تباہی اور بربادی سے اگر بچنا چاہتے ہو اور اپنی زندگیوں کو ہر قسم کے حزن، خوف، رنج اور اندیشوں سے نجات دلانا چاہتے ہو تو اپنی عقل کو "وحی" کے تابع لے آؤ۔ نہایت صاف اور دوٹوک الفاظ میں اللہ نے فرمایا۔ "انسان "وحی" کے تابع چلے تو بہترین مخلوق ہے۔ "وحی" کے تابع نہ چلے تو بدترین مخلوق" (98/6-7) اور ساری دنیا میں امن، سکون، خوشی اور خوشحالی کا راز صرف اور صرف اللہ نے یہ بتایا ہے کہ انسانوں پر انسانوں کی حکومت قبول نہ کرو۔ "سارے ہی انسان صرف اللہ کے محتاج ہیں"۔ (35/15) ساری کائنات میں اسی کا غلبہ اور اقتدار ہے۔ یعنی وہی حاکم مطلق ہے۔ وہی رب الناس ملک الناس الہ الناس ہے (114/1-6) کسی کو بھی ملک یا خطۂ زمین پر حکومت کرنے کا حق نہیں، خواہ وہ ڈکٹیٹرشپ کی شکل میں ہو۔ یا پارلیمنٹ کی شکل میں یا جمہوریت کی کسی اور شکل میں، حکومت تو صرف اور صرف اللہ کے قوانین یعنی کتاب اللہ کی ہوگی تو زندگی کامیاب ہوگی۔

درِ مکتب ہزار بچے بدست کاسہ تعلیم حسرت　　کاش یہ رسمِ جہان ہوتی کہ بھیک دیتے کتاب انکو

اللہ کی آخری کتاب (قران کریم)

آپ کو اللہ جل شانہ، کی آخری کتاب یعنی قرآن کریم کے بارے میں موٹی موٹی یعنی بنیادی چند باتیں بتائیں گے کہ قرآن کے معنی کیا ہیں۔ یہ کب اور کیوں نازل کیا گیا اور آخر اس کا فائدہ کیا ہے، یعنی ہم اسے کیوں پڑھیں؟ پہلی تو یہی بات آپ کو بتائیں کہ ہم نے اسے ''قران مکرم'' کیوں کہا؟

عربی زبان میں جب کسی کی عزت اور تعریف کے لئے اتنا بلند لفظ تلاش کیا جائے جس سے زیادہ عزت کے لئے کوئی لفظ ہی نہ ہو تو وہ لفظ ہوگا ''مکرم'' (تکریم)۔ چونکہ قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے، جو قیامت تک آنے والے لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے ہے اور انسانوں کو ہر دکھ اور مصیبت سے نجات دلانے کے لئے ہے، اس لئے کائنات کی سب سے زیادہ مقدس، اہم اور عزت کے لائق ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ''عظیم۔ کریم'' اور ''مجید'' کے لفظ استعمال کئے ہیں۔ اور قرآن کے کاتبوں یعنی لکھنے والوں کو بھی مکرم کہا ہے۔ (80/16) اور اس پر ایمان لانے والے مومنین کو بھی مکرم کہا ہے (70/35,37/44,36/27) تو بات یہ ہوئی کہ اللہ کریم، ہی ہے وہ ایسے مقام پر ہے جہاں تمام عزتیں، عقیدتیں اور احترام کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں لیکن جو کوئی سچے دل سے اللہ کی کتاب پر ایمان لائے گا اور اللہ کی صفات کو اپنے اندر ڈھالتا اور اتارتا چلا جائے گا وہ بھی اتنی عزت و تکریم کے قابل ہو جائے گا کہ اس سے آگے انسانی عزت و احترام کی کوئی حد نہیں ہوگی۔ اب ذرا ترتیب سے چلتے ہیں۔

یوں تو ''قرآن'' کے اور بھی معنی کئے جاتے ہیں لیکن عربی گرائمر کی رو سے اس کے نزدیک ترین معنی ہیں ''اعلان'' اور اس اعلان سے مراد ہے افراد، اقوام اور نسلوں کی ہدایت و راہنمائی کا اعلان، نور اور روشنی کی آمد کا اعلان (42/52-15/16)۔ باطل قوتوں، ظلم و جرم کے خاتمے کا

اعلان (21/16-18-42/24) اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ''اعلان'' آج سے چودہ سو سال یعنی تقریباً ایک ہزار چار سو پچیس سال پہلے اس کرہ ارض پر گونجا تھا اور اللہ کے ایک مقدس ومکرم فرشتے جبرئیل جنہیں روح الامین بھی کہا جاتا ہے کے ذریعہ سے ہمارے پیارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دل پر نازل ہوا (اترا) تھا (195-26/193) (16/102) (16/2) (2/97)

یہ سرزمین عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں' رمضان کے مہینے میں نازل ہونا شروع ہوا۔ نازل ہونے کا آغاز مکہ کی پہاڑی کے غار میں ہوا' جہاں ہمارے نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہائی میں غوروفکر کے لئے اکثر و بیشتر جایا کرتے تھے۔ اس غار کا نام حرا ہے۔ یہ قرآن ایک ہی بار نازل نہیں ہوا۔ (25/32) اس سے پہلے بھی رسولوں پر ملائکہ ہی وحی لے کر نازل ہوا کرتے تھے۔ (16/2) بھئی آپ کو نازل اور وحی کا مطلب بھی بتاتے چلیں عربی زبان میں نزول کے معنی ہوتے ہیں۔ ''اوپر سے نیچے کی طرف آنا یا اترنا قرآن مکرم میں یہ لفظ وحی کے لئے استعمال ہوا ہے اور وحی کے معنی ہوتے ہیں ''وہ علم جو اللہ کی طرف سے نبیوں کو دیا جاتا تھا۔ قرآن کریم کے تیس پارے ہیں۔ فارسی زبان میں تیس کے ہندسے کے لئے ''سی'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور باب' جزو' حصہ اور ٹکڑے کے لئے پارہ کا لفظ ہے۔ بہت سے لوگ ہر پارہ کو سیپارہ کہتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ سی پارہ کے لفظ کے معنی ہیں' تیس پارے ''ایک پارہ نہیں''

اس میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں یہ تمام سورتیں یا تمام تیس پارے تیئس 23 سال کے عرصہ میں نازل ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کتابت اور حفاظت کا مکمل انتظام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت یہ اپنی مکمل کتابی شکل میں موجود تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح آج ہمارے پاس موجود ہے۔ آج تک اس میں ایک حروف کا بھی ردوبدل نہیں ہوا' کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ رب العزت نے خود لے رکھا ہے۔ (15/9) اس میں موجودہ و قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے اور انسانی زندگی کے ہر گوشے کے لئے راہنمائی موجود ہے۔ (41/44)

اب ایک اور بہت اہم بات کرتے ہیں۔ دنیا کی کوئی بھی کتاب ہو' جب تک اسے سمجھا نہ جائے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اور بھئی! یہ قرآن کریم تو ایسی کتاب ہے کہ زندگی کے ہر معاملے

میں اور کائنات کی ساری گتھیوں کو سلجھانے میں مدد دیتی ہے۔ تو سوچئے اسے سمجھنے کی اہمیت کس قدر ہوگی؟ اب بعض لوگ کہیں گے۔ بھلا ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں یہ تو بہت مشکل ہے۔ یہ مشکل نہیں ہے۔ ''قرآن کو بہت آسان بنایا گیا ہے تاکہ لوگ آسانی سے سمجھ سکیں''۔ (54/18) یہ بہت موٹی سی بات ہے کہ ساری دنیا اور ساری زبانوں میں جتنے بھی اعلانات ہوتے ہیں۔ ان میں کبھی ثقیل' اور مشکل زبان استعمال نہیں کی جاتی۔ خواہ وہ اعلان کوئی حکومت کرے' ادارہ یا تنظیم کرے یا انفرادی طور پر کیا جائے۔ کیونکہ اعلان کرنے والے کا مقصد تو بات کو دوسروں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ فرض کریں کوئی اعلان کررہا ہو۔ ''آج شام جلسہ ہوگا'' اور یہ اعلان ایسی زبان اور لہجہ میں کرے جو کسی کی سمجھ میں ہی نہ آئے تو جلسہ میں ایک آدمی بھی نہیں پہنچے گا اور اعلان کرنے والے کا مقصد ہی پورا نہیں ہوگا۔ قرآن کے تو معنی ہی ''اعلان'' کے ہیں۔ تباہی اور بربادی سے خبردار کرنے کے ہیں۔ سوچیں اگر یہ مشکل ہوگا تو انسان تباہی سے خود کو بچا ہی نہیں سکیں گے۔ کچھ لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر قرآن سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ سب یونہی بناوٹی باتیں ہیں۔ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود (معاذ اللہ) دل سے گھڑ لیا ہے اور کہہ دیا کہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ یہ اعتراض خود رسول اکرمؐ کے زمانے میں بھی کچھ لوگوں نے کیا تھا اور اس کا جواب رسولؐ کی بجائے خود اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ یہ جواب قرآن میں موجود ہے اور ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے باوجود دنیا کے سامنے چیلنج بنا ہوا ہے اور قیامت تک آنے والوں کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ نے جواب میں کہا ''تم اس بات کی دلیل مانگتے ہو کہ یہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے' تو (یاد رکھو) یہ اپنی دلیل آپ ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو اس جیسا قرآن بنا کر دکھا دو۔ (17/88-52/34) پورا قرآن نہیں (تو چلو) اس جیسی دس سورتیں مرتب کر کے دکھا دو۔ (11/12) اچھا! دس کو بھی چھوڑ و صرف ایک سورت ہی بنا کر دکھا دو''۔ (2/23)(10/38) الٹی سیدھی باتیں بنانے والوں سے اللہ نے کہا کہ ساری دنیا کی دولت بھی اکٹھی کر لیتے تو بھی اس جیسی نعمت تمہیں میسر نہ آتی' جو کسی محنت کے بغیر مفت میں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اس پر تمہیں خوشیاں (جشن) منانی چاہئیں۔ (10/58)۔

آپ سوچ رہے ہونگے کہ اللہ تعالیٰ شروع سے اتنی اچھی کتابیں انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل فرماتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ان کتابوں پر عمل کر کے دکھاتے رہے جو انسانوں کے لئے رحمت کا درجہ رکھتیں ہیں تو اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (آخری نبی) کیوں؟ اور یہ کتاب قرآن کریم (آخری کتاب) کیوں؟ کیا اب اللہ تعالیٰ کی رحمت بند ہوگئی ہے ہرگز نہیں اس کی رحمت تو ہمیشہ جاری رہے گی۔ جسے ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ جب انسان ایک بچہ ہوتا ہے تو اس کے ماں باپ اس کو انگلی پکڑ کر چلاتے ہیں' تاکہ گرنے سے محفوظ رہے۔ یہ انگلی پکڑانا بچے کے لئے رحمت ہے۔ جب پھر ذرا بڑا ہوا تو سڑک پار کرتے وقت اس کو انگلی پکڑانی بھی رحمت ہے۔ جب اور بڑا یعنی لڑکپن میں آ گیا تو انگلی کی بجائے اس کو صرف ہدایت کر دی جاتی ہے کہ سڑک پار کرنے کا یہ طریقہ ہے دریا پار کرنے کا یہ طریقہ ہے اب اس کے لئے یہ ہدایت ہی رحمت ہے۔ مگر جب وہ بالکل جوان ہو جاتا ہے تو ماں باپ کا ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ رہنا' اس کی انگلی پکڑ کر رکھنا اس کیلئے رحمت نہیں رہتا بلکہ اس کو ابھی تک بچہ ہونے کا احساس دلاتا ہے اور اس کی آزادی کو سلب کرنے کے برابر ہے۔ لہٰذا اسے ہدایت دے کر بھیج دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے نفع نقصان کا خود اندازہ کر کے آگے بڑھے۔ اب اس کے لئے انگلی پکڑنے کی بجائے یہی آزادی رحمت ہے۔

دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کس طرح انسان کے تمام تقاضے پورے کرتی ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے مسائل کا حل ان کی ضرورتیں، رحمت کے تقاضے تمام اس ہدایت میں دے دیئے گئے ہیں۔ جسے قرآن کریم کہا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان اب شعور کی اس منزل تک آ چکا تھا کہ اسے انگلی پکڑا کر چلانے کے لئے رسولوں کی ضرورت نہیں رہی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ اب کوئی رسول نہیں آئے گا۔ اس ابدی ہدایت نامہ قرآن کریم کے مطابق انسان خود اپنی اگلی منزلیں طے کرتا جائے گا۔ صرف ایک خطرہ تھا کہ پہلی کتابوں کی طرح اگر یہ آخری کتاب کسی طرح انسانوں سے گم ہوئی، یا ردوبدل ہو گیا تو کیا ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا اور اب یہ قیامت تک محفوظ رہے گی۔ فرمان ربانی ہے۔

(بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہے اس کے محافظ ہیں) 15/9

ایک اور بات یہ چونکہ 23 سال تک مسلسل نازل ہوتا رہا لہٰذا اس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے کئی سال بعد جمع کیا گیا جو کہ قرآن کریم کی اس آیت کے مطابق درست نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اس کے جمع کرنے کا ذمہ بھی وحی کے ذریعہ بتایا کہ ہمارے ہی ذمہ ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ترجمہ:۔

(اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے 75/17)

(پھر اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے(75/19)

'ایں کتابے نیست چیزے دیگر است'

(باب حیثیت)

انسان

گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی آشکارہ ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے

اب ہم آپ کو کائنات کی سب سے دلچسپ کہانی' سنائیں گے۔انسان کی کہانی اور وہ بھی قرآن کی زبانی لیکن بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ آگے کی بات تو غور سے سنتے ہیں مگر پیچھے کی بات بھولتے جاتے ہیں۔تو جناب ہم نے بتایا یہ تھا کہ ہمیں اور اس ساری کائنات کو جس نے پیدا کیا ہے۔اس نے خود اپنا نام بتایا ہے۔''اللہ'' لہٰذا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کو اسی نام سے پکارنا چاہیئے' یاد ہے نا؟

آیئے اب آپ کو انسان کے بارے میں بتاتے ہیں۔

قُرآن نے انسان کیلئے آدم۔الناس۔اور بشر۔ کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں اور یہ سب ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔اپنی پیدائش سے پہلے انسان کچھ بھی نہیں تھا یعنی کوئی شے بھی نہیں تھی (19/67 -19/9)۔رب نے ایک کائنات بنائی۔اس کائنات میں کئی جہان بنائے اور ان میں ان گنت ستارے اور سیارے بنائے۔دریا' پہاڑ' سمندر' جنگل' صحرا بنائے۔ پھر صبح و شام اور دن رات پیدا کئے۔درخت، پھول' پھل سبزہ بنایا اور طرح طرح کے جانور پیدا کئے' ساتھ ہی ساتھ جو جو کچھ بنایا اور پیدا کیا' ان کی پیدائش کا مقصد پروگرام اور ان کی ''تقدیریں'' بھی انہی کے اندر رکھ دیں، اور بچو! یہ تو تم جانتے ہی ہو نا کہ ''تقدیر'' کا مطلب قسمت نہیں ہوتا، پیمانہ اور قدر ہوتا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے جو جو کچھ بھی تخلیق کیا' ان کے لئے کام کرنے کے پیمانے بھی مقرر کردیئے'۔

مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

بھئی یہ بات سمجھنا تو آج کے زمانے مین بہت ہی آسان ہوگیا ہے۔تم نے کمپیوٹر تو دیکھا ہوگا،اور یہ بھی جانتے ہوگے کہ کمپیوٹر خود کچھ بھی نہیں کرتا وہ ہمیں وہی کچھ بتاتا ہے جو کچھ ہم اس کے اندر فیڈ کرتے ہیں اس طرح فیڈ کرنے کو تقدیر کہتے ہیں۔اس کائنات میں جتنے سیارے، ستارے اور دیگر قوتیں ہیں وہ جس مقصد کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔بس وہی کرتے چلے جارہے ہیں جو ان کے اندر فیڈ

کر دیا گیا تھا سب اپنے اپنے اعمال کیلئے نہ تو خود مختار ہیں نہ آزاد ہیں اور چونکہ آزاد نہیں ہیں لہٰذا اپنے کسی بھی عمل کے لئے جواب دہ بھی نہیں ہیں بالکل اسی طرح جانور ہوتے ہیں ان کی ''تقدیریں'' بھی ان کے اندر فیڈ کر دی جاتی ہیں۔ پھر انہیں مزید کسی بھی ہدایت اور راہنمائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تو آپ نے کبھی نہیں سنا ہو گا کہ جانوروں میں بھی رسول آتے ہیں یا اُن کے ہاں بھی نبی ہوتے ہیں۔ ان جانوروں کو کسی وحی اور راہنمائی کی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ ان کی قسمتیں اور ان کی زندگی کے متعینہ مقاصد تو ان کے اندر فیڈ کر دیئے گئے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے اعمال کے لئے ذمہ دار ہی نہیں ہوتے۔ اسی لئے نہ تو ان کے لئے ثواب ہوتا ہے نہ گناہ ہوتا ہے۔ نہ ان سے پوچھ گچھ ہو گی اور نہ حساب کتاب ہو گا۔ یہ جانور جو کچھ کرتے ہیں اپنی فطرت کے مطابق کرتے ہیں۔ مثلاً گھوڑا' بکری اور دیگر گھاس کھانے والے جانور کو اگر گھاس نہ ملے تو مر جائیں گے' لیکن گوشت سامنے رکھا ہو گا تو اس کی طرف دیکھیں گے بھی نہیں۔ اسی طرح شیر اور دیگر گوشت کھانے والے جانور کو گوشت نہ ملے تو مر جائیں گے کبھی گھاس نہیں کھائیں گے۔ یہ ان کی فطرت کہلائے گی۔ لیکن انسان کی کوئی فطرت نہیں ہوتی۔ اسے اللہ نے آزاد اور خود مختار بنایا ہے، اسی لئے وہ اپنے ہر عمل کا ذمہ دار بھی خود ہے، اور سزا کا مستحق بھی خود۔

تمہیں یہ جان کر بڑی خوشی ہو گی کہ اللہ پاک نے ہم انسانوں کو بہترین شکل پر پیدا کیا ہے۔ (95/4) اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ اللہ نے ہمیں بے جان مادے سے پیدا کیا ہے۔ مر جانے کے بعد ہمارا جسم پھر بے جان مادے مین تبدیل ہو جائے گا۔ لیکن ہمیں ایک اور زندگی ملے گی۔ جسے آخرت کی زندگی کہتے ہیں۔ (20/56) اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ اس کی ضاحت بہت آسان لفظوں میں اس طرح کر دی کہ اللہ نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر موت دے گا۔ پھر زندہ کرے گا (2/28)(23/15-16-22/66) اور یہ بھی بتایا کہ ''ہر انسان کے لئے موت ہے یہاں کوئی ہمیشہ نہیں رہ سکتا''۔ (21/34-35)

اچھا بھئی انسان کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے جوڑے بنائے اور اسے عورت اور مرد میں تقسیم کر دیا۔ بھئی اس تقسیم سے یہ مت سمجھ لینا کہ عورت اور مرد ان دونوں میں کوئی ایک انسان نہیں

ہے۔اسی لئے تو اللہ نے واضح کر دیا کہ عورت اور مرد میں سے کوئی کمتر یا برتر نہیں ہے دونوں برابر ہیں۔انسان ہیں اور دونوں برابر کی عزت و تکریم رکھتے ہیں۔ چونکہ انسان کو مکمل آزادی عطا کی گئی ہے اور اس آزادی سے یہ بھی ممکن تھا کہ انسان جانے یا انجانے میں غلط راستہ اختیار کر لے یعنی اپنے لئے ہلاکت اور تباہی کا سامان کر لے۔جس طرح کسی معصوم بچے کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو عین ممکن ہے وہ ہاتھ جلا بیٹھے زہریلا جانور منہ میں ڈال لے۔ بلندی سے خود کو گرا لے یا کسی چاقو سے خود کو زخمی کر لے۔تو بھئی اسی طرح انسان کو تباہی سے بچانے کے لئے رسولوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے راہنمائی بھیجی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جتنے نبی یا رسول آئے وہ سب انسان تھے“ ۔خود ہمارے نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انسان تھے۔(41/6)

یہ جتنے بھی رسول اس دنیا میں آئے چونکہ وہ ایک ہی اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر اور نمائندے تھے۔لہٰذا ان سب نے آ کر انسانوں کو ایک ہی بات سمجھائی کہ دیکھو بھئی اللہ ایک ہے۔وہی تمام جہانوں کو پیدا کرنے والا اور تمام جہانوں کا مالک و مختار ہے۔”سارے ہی انسان اللہ کے محتاج ہیں“۔(35/15) ”وہی *رب الناس ٗملک الناس ٗ الہ الناس* ہے“۔(114/1-6) یعنی کسی ایک یا کسی خاص قبیلہ کی نہیں بلکہ پوری کی پوری انسانیت کا نشوونما کرنے والا ہے۔

”ساری کائنات میں اسی کا غلبہ اور اقتدار ہے(یعنی وہی حاکم مطلق ہے۔کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دنیا کے کسی بھی ملک‘ حصے یا زمین پر حکومت کرے۔حکومت صرف اور صرف اللہ کے قوانین یعنی قرآن کی ہے۔اور وہی ہے جو تمام نوع انسان کو پناہ دے سکتا ہے۔خطرات سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ (114/3)

اور ساری کائنات میں کوئی دوسری ایسی ہستی نہیں ہے۔جس کی اطاعت اور عبادت کی جائے۔لہٰذا وہی الہ الناس بھی ہوا۔تو بس یہی بنیادی بات ہر رسول نے اپنے اپنے زمانے کے لوگوں تک پہنچائی کہ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسانوں پر اپنا حکم چلائے اور اللہ کی بجائے اپنی اطاعت کروائے‘اور دوسری بہت ہی اہم بات‘ ہر رسول نے یہ کہی ہر انسان خود محنت کر کے کمائے اور اپنی ہی محنت سے حاصل کی گئی کمائی کھائے آج ساری دنیا میں سب سے بڑی وجہ فساد اور جھگڑا اور برائی کی

یہی ہے۔ کہ ہر شخص خود محنت نہیں کرنا چاہتا اور دوسرے کی محنت یا دولت پر نظریں گاڑے بیٹھا ہے۔ اللہ نے صاف صاف کہہ دیا! *لیس لا انسان الا ما سعی* (53/39) یعنی انسان اس چیز کا حق رکھتا ہے جس کے لئے وہ خود محنت کرے۔

اب آخر میں آپ سب کو ان تین سوالوں کا جواب بھی سمجھاتے چلیں یعنی

(۱) انسان کیا ہوتا ہے؟ (۲) اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے

(۳) اور اللہ سے انسان کا تعلق کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

بھئی اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ بنیادی طور پر انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہوتا ۔ دونوں ایک ہی طریقے سے پیدا ہوتے ہیں ۔سانس لیتے ہیں ۔کھاتے پیتے ہیں۔ دکھی ہوتے ہیں خوش ہوتے ہیں۔ دونوں میں نر اور مادہ ہوتے ہیں دونوں کے ہاں اولاد ہوتی ہے اور جب طبعی عمر پوری ہو جاتی ہے تو دونوں ایک ہی طرح سے مر جاتے ہیں۔ یعنی پیدا ہوئے، پلے بڑھے' کھایا پیا' نسل بڑھائی' بوڑھے ہوئے اور مر گئے اب اگر انسان بھی اسی طرح زندگی گزارے تو بھئی جانور اور انسان میں تو کوئی بھی فرق نہ رہا نا؟ اسی لئے تو اللہ نے فرمایا کہ انسان اگر جانوروں کی سی زندگی اپنائے رکھے تو یہ کفر کی زندگی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان وحی کے تابع چلے یعنی انسان اگر وحی کے تابع ہے تو بہترین مخلوق اور اگر وحی کے تابع نہ چلے تو بدترین مخلوق (98/6-7) تو واضح ہوا کہ انسان وہ ہوتا ہے جو محض جانوروں کی سی زندگی نہ گزارے بلکہ وحی یعنی قرآن کی روشنی میں اپنی زندگی کا مقصد سمجھے اور اس کے مطابق چلے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ انسان کو پیدا کیوں کیا گیا ہے؟ بھئی اس کے جواب کیلئے جتنی تفصیل کی ضرورت ہے۔ یہ مختصر صفحے اس کے لئے کافی نہیں ہیں۔ بس اس وقت مختصر صرف اتنا ہی سمجھ لیں کہ جو اللہ نے اتنی بڑی دنیا بنا دی ہے نا! یہ ساری کی ساری ہماری یعنی انسانوں ہی کی ضرورتیں پوری کرنے اور کام میں لانے کے لئے بنائی ہے اور اسے اپنے قانون یعنی پیمانوں (قدروں) کی زنجیر میں ہمارے ہی لئے جکڑ کر رکھ دیا ہے اور انسان سے کہا ہے کہ ان قوانین یا اقدار (پیمانوں) کا علم حاصل کر کے اس کائنات کی ساری قوتوں کو مسخر کر لے اور اپنے کام میں لے آئے۔ ((22/65) (45/12-13

((21/20) (14/32-34

اوراب بھئی آخری سوال کہ اللہ تعالیٰ سے انسان کا تعلق کیسے پیدا ہوتا ہے۔اس کا جواب دیتے ہوئے بڑا عجیب سا لگ رہا ہے کہ لو اتنی آسان بات؟ قرآن کریم پڑھنے والا بچہ بچہ اب تو یہ جان چکا ہے یہ تعلق صرف اور صرف اللہ کے کلام قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے' اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی جس قدر بھی صفات ہیں انسان آہستہ آہستہ یعنی بتدریج اپنے اندر پیدا کرتا چلا جائے' اور پھر دیکھے کہ اللہ تو اللہ ہے' ایک عام مومن انسان بھی کیا کچھ کرسکتا ہے اور اس نگاہ مرد مومن سے تقدیریں کس طرح بدل جایا کرتی ہیں۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا ؟ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

آیئے اب خود لفظ انسان کے معنی پر بھی غور کریں آپ نے لفظ انس تو سنا ہوگا۔جس کے معنی ہیں پیار ومحبت' رفاقت' خوشگواری تعلق وغیرہ۔لہٰذا انسان اسے کہا جائے گا جس میں پیار ومحبت خوشگوار تعلق کی صفات موجود ہوں ۔جس میں یہ نہ ہوں وہ انسان کہلانے کا حق دار ہی نہیں بلکہ جن میں یہ صفات نہ ہوں ان کے لئے لفظ وحشی استعمال ہوتا۔جس میں وحشت' نفرت پائے جاتے ہیں لہٰذا اپنی زندگی بنیادی صفت انسانیت کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے تاکہ انسان ہونے کے ناطے ہم خود اپنے مقصد حیات پر پورے اترسکیں۔

زہر ہے زیاں ہے زیادتی زوال ہے انسانیت۔کو مار کے انسان مر گیا۔ نویدؔ

نہ تو زمیں کے لئے نہ آسماں کے لئے جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن زوالِ آدمِ خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا ؟

مسلم (مسلمان)

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویران سے　　زرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن کریم پر ایمان رکھنے والے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ لفظ ''مسلمان'' تو سارے قرآن میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔ لہٰذا ہمیں وہی لفظ استعمال کرنے چاہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود استعمال کئے ہیں۔ کیونکہ لفظ بدل جانے سے کبھی کبھی بات کا مفہوم ہی بدل کر رہ جاتا ہے۔ یہ جو آج ساری دنیا میں ''مسلمان'' اور مسلمان کے درمیان مذہبی جھگڑے' فساد اور اختلافات ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہماری نظر سے ''قرآن مکرم'' کے اصل الفاظ اوجھل ہو گئے یا کر دیئے گئے ہیں اور ان کی جگہ ہم جو الفاظ استعمال کرتے ہیں ان کا مفہوم بالکل مختلف اور جدا ہے

وہ لوگ جو آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت قرآنی پر ایمان لائے اور ان کی سچائی یعنی صداقتوں کو دل سے تسلیم کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو مسلم کہہ کر پکارا ہے۔ لہٰذا مسلم کے معنی ہوتے ہیں تسلیم کرنے والا لیکن قرآن نے اس لفظ کا مفہوم خود بھی واضح کیا ہے اور بہت سے مقامات پر ہے (27/31) (22/78) میں مسلم کے معنی ہیں محکوم اطاعت گزار اس طرح (27/80-82) (30/52-53) میں فرمایا۔ عقل و فکر سے کام لینے والا ہی مسلم ہو سکتا ہے۔

جب کوئی شخص اللہ کی اطاعت اختیار کرے تو وہ قرآنی مفہوم میں مسلم ہو جائے گا۔

اپنے تمام فیصلے نظام الٰہی سے کرانے اور ان سے سرتابی نہ برتنا ہی اسلام ہے

(اور اس پر عمل کرنے والا ہی مسلم ہوتا ہے۔۔۔۔ (24/47)

اسلام ملت ابراہیمی ہی ہے اِسے ماننے والوں کا نام اللہ نے ''مسلم'' رکھا ہے پہلے کی امتوں میں بھی اور اب بھی'' ۔.......(22/78)　عزائم کو سینوں میں بیدار کر　　نگاہ مسلماں کو تلوار کر

رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اعلان کہ میں سب سے پہلا ''مسلم'' ہوں'' (39/12)(6/164)

''اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا'' ۔.......(22/78)

جب اللہ نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے تو ہم اسے کیوں بگاڑیں مسلمان کتنا اچھا لفظ کیوں نہ ہو۔لیکن اللہ کے رکھے ہوئے نام سے اچھا تو نہیں ہوسکتا ناں ؟ لہٰذا ہمیں خود کو مسلم ہی کہنا چاہیے اور یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ اس دنیا میں کتنے ہی پیغمبرؑ آئے ان کی دعوت پر ایمان لانے والے سبھی مسلم ہی کہلاتے تھے۔(22/78)اور بھئی یہ اس لئے تھا کہ ازل سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک ہر نبی کی ایک ہی تعلیم تھی کہ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اس کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار اور حاکم نہیں ہوسکتا۔ (7/85, 7/73, 7/65)

قہاری وغفاری وقُدسی و جبرُوت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

یہ بات سمجھ لینے کے بعد کہ ہمارا نام اللہ تعالیٰ نے مسلم رکھا ہے۔اب سمجھنا ہے مسلم کا کام کیا ہے۔یہ سمجھنے کے لئے ہے آپ کو ایک نظر سابقہ مضمون ''اسلام'' کے آخری صفحہ کو پھر دیکھنا ہوگا۔یعنی اسلام کی ان خصوصیات پہ عمل کرنے والے کو مسلم کہا جائے گا' جو کہ اپنے اندر امن وسلامتی ،اور اپنے معاشرہ پھر ساری دنیا میں امن وسلامتی پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔

تو پھر۔آج۔۔

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں خودی تیری مسلماں کیوں نہیں

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

مومن

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

پچھلے صفحات میں ہم نے آپ کو مسلم کا مفہوم اور معانی بتائے تھے اور قرآن کریم کے حوالہ سے یہ سمجھایا تھا کہ ہمارے محترم پیارے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماننے والے ہی "مسلم نہیں کہلاتے بلکہ اس دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے ان سب کی دعوت پر ایمان لانے والے بھی مسلم کہلاتے تھے۔(22/78) اور ہر پیغمر لوگوں کو جو دعوت دیتا تھا' سب سے پہلے خود اس پر ایمان لاتا تھا۔اس لئے سب سے پہلا مسلم وہ خود ہوتا تھا۔ ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اعلان کیا تھا کہ میں سب سے پہلا مسلم ہوں (6/14)

ہم نے ایک بات اور بتائی تھی کہ اللہ نے قرآن کریم کو ماننے والوں کا نام مسلم رکھا ہے۔ (22/78)۔لہٰذا ہمیں خود کو بھی مسلم' ہی کہنا چاہیے۔اب ہم آپ کو' ۔مومن' کا مفہوم اور معنیٰ بتلائیں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ مسلم اور مومن میں کیا فرق ہوتا ہے۔

بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جنہیں ہم سنتے ہیں اور چاہے ان پر عمل کریں یا نہ کریں لیکن ان کی سچائی کو تسلیم کرتے ہیں جیسے آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ صبح سویرے اٹھنا' صبح سیر کرنا یا ورزش کرنا اچھی صحت کے لئے ضروری ہوتا ہے۔طبعیت میں شگفتگی اور نرمی پیدا ہوتی ہے دن اچھا گزرتا ہے یا تم نے سنا ہوگا کہ دوسروں کی مدد کرنا' ضرورت مندوں کا کام آنا بہت اچھا ہوتا ہے۔اس سے ایک اچھی اور مضبوط شخصیت (Personality) بنتی ہے یا بڑوں کا ادب کرنا اور چھوٹوں سے پیار کرنا بہت اچھا اور انکے کام آنا اچھا ہوتا ہے۔اس سے انسان کا وقار بڑھتا ہے اور ایسے انسان کی ہر شخص عزت کرتا ہے اسی طرح آپ نے سنا ہوگا کہ ہمیشہ سچ بولنا چاہیے جھوٹ بولنے والے کی کبھی عزت نہیں کی جاتی اسے سب لوگ بری نظر سے دیکھتے ہیں یہ سب باتیں وہ ہیں جنہیں اس دنیا میں بسنے والے سبھی لوگ تسلیم

کرتے ہیں مانتے ہیں بلکہ خود تبلیغ کرتے اور تعلیم دیتے ہیں لیکن یہ بات کا صرف ایک پہلو ہوتا ہے یعنی کسی بات کو صرف تسلیم کر لینا بھی کافی نہیں ہوتا۔ضروری نہیں کہ جو شخص کسی بات کو تسلیم کرتا یا تسلیم کر لینے کا اعلان کرتا ہے وہ اس پر عمل بھی کریگا۔اب دیکھیں ناں سبھی مانتے اور تسلیم کرتے ہیں اس کے باوجود سبھی تو صبح سویرے نہیں اٹھتے نہ سب ورزش کرتے ہیں' نہ سب دوسروں کی مدد کرتے ہیں' نہ بڑوں کا ادب اور نہ چھوٹوں سے پیار ہی ہر ایک کرتا ہے اور نہ ہی ہر ایک سچ بولا کرتا ہے' تو ایسے بھی لوگ ہونگے جو اِن باتوں کو تسلیم بھی کرتے ہیں اور ان پر عمل بھی کرتے ہیں' تو ایسے لوگوں کو سب ''بات کا دھنی'' یا قول کا پکا یا با کردار کہتے ہیں اور ان کی مثالیں دیتے ہیں ان کی تقلید کرتے ہیں اور آنے والی نسلوں کو ان کا حوالہ دیا کرتے ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن　　گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

بالکل اسی طرح پیغمبروں کی دعوت ایمانی کو جو لوگ مان لیتے تھے' تسلیم کر لیتے تھے' انہیں مسلم کہا جاتا تھا لیکن جو لوگ مان کر تسلیم کر کے اس پر عمل بھی کرتے تھے وہی ''مومن'' کہلاتے تھے اور ایسے ہی لوگوں کو پھر اللہ تعالیٰ دوست کہہ کر پکارتا ہے۔(ہے اللہ کا ہاتھ بندۂ مومن کا ہاتھ)(13/37, 7/3, 7/196, 45/19)

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود　　ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدہ

اس بات کو یوں سمجھ لیں کہ آج ساری دنیا میں اربوں مسلمان بستے ہیں یہ سب قرآن کو مانتے اور اس کو حق تسلیم کرتے ہیں بھئی اسی لئے تو مسلم کہلاتے ہیں لیکن اکثر لوگ اس پر عمل نہیں کرتے اور اس کے مطابق زندگی نہیں گزارتے' لہٰذا وہ کبھی بھی مومن نہیں کہلائے جا سکتے۔

مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

اب دیکھیں اس بات یا فرق کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر آسان اور اچھے انداز میں سمجھایا ہے۔

''اسلام نام ہے اس ایمان کا' جو دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔اس اعتبار سے مسلم اور مومن میں فرق ہوگا''۔(49/14) اور ایمان لانے کے بعد (یعنی تسلیم کر لینے کے بعد) احکام الٰہی کی اطاعت کرنے یا عمل کرنے سے انسان مومن بنتا ہے''(43/69)

میری صلوٰۃ میری زندگی کے طور طریقے میرا جینا ' میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے (یعنی اللہ کے قانون کے تابع ہے) یہ ہیں ایک مومن کی خصوصیات (6/162) یہ بھی سمجھ لیں کہ مومن اسے کہتے ہیں جو ہر حق بات کو اپنے علم اور اپنی عقل سے تسلیم کرے۔ صرف اس لئے نہ مانے کہ والدین ایسا کہتے یا کرتے ہیں استاد یا بڑے ایسا کرتے اور کہتے ہیں۔ بلکہ جب اس کے سامنے حق کی بات رکھی جائے تو وہ خود سوچے تمام پہلوؤں پر غور کر کے پھر تسلیم کرے۔ اس طرح تسلیم کرنے کو ''ایمان'' کہتے ہیں یہ جو انگریزی زبان میں ایک لفظ ہوتا ہے نا' (FAITH) جسے ہم ایمان کے معنی میں استعمال کرتے ہیں' بنیادی طور اس کا ترجمہ یا مطلب نا کافی ہوتا ہے۔ دراصل (FAITH) کا انگریزی مطلب ہے اندھا یقین یعنی رواج اور عقیدہ جبکہ عقل کی رو سے تسلیم کرنے والی بات کیلئے انگریزی ہی میں لفظ (CONVICTION) کنوِکشن استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے دین کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے والے ہی مومن کہلاتے ہیں جس طرح اسکول میں داخلہ لینے کے بعد لازمی ذمہ داری ہے کہ پڑھنا شروع کیا جائے اگر صرف داخلہ لے لیں اور پڑھیں نہ تو داخلہ لینے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا جب امتحان ہوگا تو فیل ہو جائیں گے۔ اسی طرح ایمان لانے کا مطلب ہے کہ ہم نے اسلام میں داخلہ لے لیا اور مومن بننے کیلئے اس کی تمام لازمی ذمہ داری بھی پوری کرنی ہے

(یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے   جو ہے راہِ عمل میں گامزن وہی محبوبِ فطرت ہے)

۔ کیونکہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یوں فرمایا۔

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے ایسا ثواب ہے کہ کبھی ختم ہی نہ ہو (25/84) لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے دین کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے والے ہی مومن کہلاتے ہیں۔

ویسے عربی لغت میں دیکھیں تو مومن کا مادہ ہے ا۔م۔ن جس سے اور بھی کئی لفظ بنتے ہیں مثلاً ۔امانت ۔امین ۔ایمان وغیرہ جتنے بھی لفظ بنیں گے ان میں بنیادی خصوصیت امن (ام ن) کی ہی ہوگی اسی طرح مومِن کی بنیادی خصوصیت امن ہے قرآن کریم کی تعلیمات کو تسلیم کر کے ان پر عمل پیرا ہو کر پہلے اپنے اندر کے تخریبی خیالات یا تخریبی قوتوں کو امن پذیر کرنا پھر اس امن کو پھیلانا پہلے

اپنے آپ کو پھر اہل خانہ' ماں باپ بہن بھائی' دوست ہمسایہ کو امن میں رکھنا پھر اہل محلہ اہل شہر اور اہل ملک کو امن میں رکھنا۔ جب ان مومنین کی حکومت قائم ہو تو پھر اہل دنیا کو امن میں رکھنا۔ دیکھا آپ نے مومن چند کلمات پڑھ لینے کا نام نہیں بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومنِ

یعنی مومن۔ امن کا ضامن مگر یہ چھوٹے پیمانے کا مومن ہے دنیا کے امن تک محدود ایک ان سے بڑا مومن بھی وہ ہے اللہ تعالیٰ اس کی صفت قرآن کریم میں ہے المومن The MOMIN یعنی دنیا اور تمام کائنات سورج سیارے ستارے وغیرہ کو انتہائی قانون کے تحت چلا کر امن میں رکھنے والا۔ اب آپ مومن کے معنیٰ اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے۔ اور اپنی ذمہ داریاں بھی۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اُس میں ہیں آفاق

فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن قدم اُٹھا یہ مقام انتہائے راہ نہیں

کافر

کافر ہے تو ہے پابندیِ تقدیر مسلماں   مومن ہے تو آپ ہی تقدیرِ الٰہی

کافر کا مطلب سمجھنے سے پہلے ہمیں کفر کو سمجھنا ہوگا کیونکہ کفر ہی کافر کی پہچان ہے کفر کے معنی عربی لغت میں چھپانے اور ڈھانپنے کے ہیں۔قرآن کریم میں یہ لفظ ایمان اور شکر کے مقابلہ میں اکثر استعمال ہوا ہے۔

علاوہ ازیں یہ عمل صالح کے مقابلہ میں بھی آیا ہے اور انکار کر دینے کے معنی میں بھی آیا ہے۔لہٰذا جس طرح ایمان کا مقصد صحیح عمل ہے اس طرح کفر کا مطلب غلط عمل ہے۔لہٰذا ایسا عمل کرنے والے کو کافر کہتے ہیں۔

جس سے ٹھوس سچائیاں پس پردہ رہ جائیں چھپ جائیں جو اللہ کے ابدی حقائق کو پوشیدہ رکھے اور انہیں ابھر کر سامنے نہ آنے دے جو اپنی یا دوسروں کی صلاحیتوں کو چھپائے اور انہیں بروئے کار نہ آنے دے ان کی نشوونما نہ ہونے دے یہ سب کچھ ان ابدی حقائق کے مطابق عمل کرنے سے انکار کے نتیجہ میں ہوتا ہے ایک انسان کے سامنے قرآن کریم کی حقیقتیں پیش کی جاتی ہیں اسے ان کا مفہوم و مطلب سمجھایا جاتا ہے وہ ان پر غور و فکر کرتا ہے ان کو بہ رضا و رغبت عمل کرنے کے لئے تسلیم کرتا ہے۔اس کو ایمان لانا کہتے ہیں۔اس کے برعکس دوسرا شخص جس کے سامنے اس طرح قرآن کریم کی حقیقتیں پیش کی جاتی ہیں وہ انہیں تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے یا ان پر عمل کرنے سے انکار کرتا ہے اسے کافر کہتے ہیں انکار کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔سرکشی اور ظلم جہالت حسد وہ خود بھی حق کے اس راستہ پر نہیں آتے اور دوسروں کو بھی اس طرف آنے سے روکتے ہیں ((2/109 تکبر کرتے ہوئے بری تدبیریں کرتے ہیں۔((35/42 کیونکہ انکی مفاد پرستیوں پر زد پڑتی ہے۔سورۃ نمل میں ہے۔انہوں نے محض ظلم اور سرکشی کی بنا پر ہماری آیات سے انکار کیا۔حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔((27/14

اس آیت سے ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ اگر آیات کی صداقت یا دل سے یقین کرنے کے باوجود ظلم وزیادتی، سرکشی، حسد تکبر جاری ہے تو یہ بھی کفر ہے یعنی کافر کسی غیر مسلم کے گھر میں پیدا ہونے والے کا ہی نام نہیں بلکہ آیات کو مان کر ان کے مطابق زندگی بسر نہ کرنے والے بھی کافر ہی ہوتے ہیں چاہے وہ پیدا کہیں بھی ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ زندگی میں تمام فیصلے اور عمل اللہ تعالیٰ کی آیات کے مطابق نہ کرنے والے کو کافر کہتے ہیں۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

منافق (دوغلا)

نکل جاتی ہی جس کے مُنہ سے سچی بات مستی میں

فقیہِ شہر سے وہ رندِ بادہ خور اچھا

مسلم' مومن اور کافر کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد بہت ضروری ہے کہ آپ منافق کا مفہوم بھی سمجھ لیں ۔یہ ایک بظاہر مشکل سا لفظ ضرور ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ اس لفظ کو یاد کرنے اور ادا کرنے میں آپ کو دِقت بھی ہوگی لیکن ہمیں یہ بھی پتہ ہے کہ مسلم ہمیشہ مشکل کام اور مشکل بات سے گھبراتے نہیں' بلکہ چیلنج سمجھ کر قبول کرتے ہیں ذرا توجہ سے پڑھیں اور سمجھیں گے تو یہ لفظ بھی آسان ہو جائے گا۔

پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ مسلم وہ ہوتا ہے کہ جب اس کے سامنے حق پیش کیا جائے تو عقل کی رو سے پہلے اس پر خوب غور کرتا ہے اور پھر دل سے تسلیم کر لیتا ہے مومن وہ ہوتا ہے جو حق کو تسلیم کر لینے اور زبان سے اقرار کرنے کے بعد عمل بھی کرتا ہے اور اس طرح عمل کرتا ہے کہ حق اس میں اور وہ حق میں ڈھل کر ایک ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد قرآن نے ایک دوسری قسم بتائی ہے۔کافر لوگوں کی جو کہ حق سے انکار کر دیتے ہیں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور کھل کر مخالفت کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں حق راہ سے۔

قرآن کریم نے ایک تیسری قسم بھی بتائی ہے جسے ''منافق'' کہا جاتا ہے اور اب ہم آپ کو اسی کا مفہوم سمجھائیں گے۔عربی زبان میں ایک لفظ ہے'' نفق'' یہ ایسی سرنگ سوراخ یا رستے کو کہتے ہیں جو دونوں طرف سے کھلا ہوا ہو' اور ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل جانے والے کو ''نافق'' کہتے ہیں،اس اعتبار سے منافق کا مطلب ہوا ایسا شخص جو فرار ہونے کے لئے دوسرا راستہ بھی تیار رکھے۔یعنی ایسا دورنگا' دوغلا' اور ڈھل مل یقین شخص جسے خود اپنی بات کا بھی یقین نہ ہو' جو کسی مطلب یا مجبوری کی وجہ سے حق کو تسلیم بھی کرے اور ایسی صورت بھی تیار رکھے کہ جب چاہے نکل جائے پینترا

بدل جائے۔

اللہ تعالیٰ نے تو کسی بھی (جاندار) کے سینے میں دو دل نہیں رکھے((33/4۔لہٰذا قرآن کریم کے مطابق ''منافق'' وہ ہوا جس کی زبان پر تو کچھ اور ہوتا ہے' لیکن دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے بچنے پر بہت زور دیا ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ منافقوں کے بارے میں قرآن کریم کے اندر پوری اور مکمل سورت موجود ہے۔جس کا نام ہی سورۃ منافقون ہے یہی نہیں یہ لفظ قرآن کریم میں 28 مقامات پر آیا اور استعمال ہوا ہے اور ایک سو آیتوں میں منافقین کا ذکر کر کے اللہ نے ہمیں ان سے ہوشیار اور خبردار رہنے کی تاکید کی ہے' اور اس کی زبردست اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا آغاز ہی ان کے ذکر سے کرتا ہے۔سورۃ بقرہ کی ابتدا میں ہی تین جماعتوں اور گروہوں کا ذکر ہے۔

اول:۔جو حق پر ایمان لاتے ہیں۔اس پر عمل کرتے ہیں اور حق کا ساتھ دیتے ہیں۔

دوم:۔جو حق کو تسلیم ہی نہیں کرتے اور کھلے طور پر صاف صاف انکار کرتے ہیں۔

سوم:۔جو حق کو تسلیم زبان سے تو کرتے ہیں۔دل سے نہیں کرتے۔بلکہ دل میں مخالف ہوتے ہیں۔

تو یہ ترتیب اس طرح بنی کہ اول ہوئے مسلم' اور مومن دوسرے ہوئے کافر اور تیسرے کہلائے منافق۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کو بدترین مخلوق کہہ کر پکارا ہے۔کھلے ہوئے دشمن سے تو آپ محتاط رہ سکتے ہیں نا' لیکن جو شخص ظاہر میں آپ کا دوست ہو' آپ سے محبت کر رہا ہو۔آپ کے دکھ درد میں شامل ہو۔اس کے متعلق کیسے سوچا جا سکتا ہے کہ وہ نقصان بھی پہنچا سکتا ہے' دھوکہ بھی دے سکتا ہے' تباہی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔منافق فاسق ہوتا ہے۔((9/67 فاسق بھی اور کافر بھی (9/80'9/53) یہ جہنم میں جائیں گے۔((46/20'32/20 یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ منافق کون ہے اور کون نہیں ہے؟ تو بھئی اللہ نے ان کے نام تو نہیں بتائے۔البتہ پہچان ضرور بتا دی ہے اور کہا ہے کہ تم ان کے طرز کلام (اور طرز عمل) سے پہچان سکتے ہو((47/30 اہم قرآن کی رو سے منافقین کی پہچان آپ کو بھی بتا دیتے ہیں اور آپ تو بہت ہی ذہین اور عقلمند ہیں۔فوراً پہچان

جائیں گے اور ایک دم پہچان جائیں گے۔ تو منافق ہوتے ہیں جھوٹی قسمیں کھانے والے ((58/14 لڑکیوں کو چھیڑنے والے ((33/59-60۔ جس بات سے روکو وہی کریں گے۔ سلام تک ذو معنی الفاظ میں کریں گے۔ ((58/8۔ کسی کی مدد کر کے احسان جتانے والے (9/542/263) زبان سے کچھ کہیں اور دل میں کچھ اور ہو۔ ((3/196 لوگوں کو دکھانے کی خاطر اچھے کام کرنے والے ((4/39)(2/264۔ کسی بات کو سنجیدگی سے سمجھنے کی بجائے اس پر جھٹ سے طعنہ دینے اور اعتراض کرنیوالے (9/79) ہر بات میں شک اور شبہ کرنے والے ((24/50 انہیں کسی بات پر اعتماد نہیں ہوتا‘ (33/12) دل میں بغض اور حسد پیدا ہوتا ہے۔ ((8/49 ذہن ایسا مکدر ہوتا ہے کہ کوئی انکی کوئی بات صاف صاف معلوم نہیں ہوتی ((5/125

زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے‘ لیکن دل سے وہ مومن نہیں ہوتے۔ یہ لوگ اللہ اور مومنوں کو دھوکہ دیتے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ ((2/8-9 ہمیں اس بات پر ضرور غور کرنا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم بھی کہتے کچھ اور کرتے کچھ اور رہیں‘ اور اگر ایسا ہے تو آج ہی ہمیں اسے چھوڑ کر سچا اور پکا مومن بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

منافق کی اہم نشانی بتاتا ہوں۔ وہ خود تذبذب کا شکار رہتا ہے اور دوسروں کو بھی تذبذب میں رکھتا ہے مثال یوں سمجھو کہ۔ ایک سائنسدان کئی سال پہلے بتا دیتا ہے کہ فلاں دن فلاں وقت اتنے بجے سورج گرہن لگے گا کیونکہ سورج کی رفتار کا قانون معلوم اور یقین ہے مگر دس سائنسدان مل کر یہ نہیں بتا سکے کہ یہ ایک بیٹھی ہوئی مکھی اڑنے کے بعد کس طرف جائے گی۔ مکھی کا یہ کردار تذبذب کہلاتا ہے یہی منافق کی نشانی ہے کہ وہ کیا پلٹا کھا جائے۔ لہٰذا ایسا کردار نہ پیدا ہونے دینا چاہیے نہ ایسے کردار پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ یہی منافقت ہے اگر لوگ آپ کے بارے میں یقینی رائے رکھتے ہیں (کہ وہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کرسکتا)۔ تو سمجھیں آپ کا کردار منافقت سے بچا ہوا ہے۔

حقیقی آزادی

(باب جشن)

آپ نے دو لفظ اکثر سنے ہونگے ''غلامی اور آزادی'' اور آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ اپنی منشاء کے مطابق کسی رکاوٹ اور مجبوری کے بغیر زندگی گزارنے کا نام ''آزادی'' ہوتا ہے۔ بھئی یہ تو ہوئی ایک عام سی تعریف' لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک آزادی کا مطلب اس سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ آپ نے کبھی جنگل دیکھا ہے؟ چلیئے سنا تو ہوگا کہ جنگل میں ہر قسم کے چھوٹے بڑے' دبلے موٹے اور لمبے ٹھنگے جانور رہتے ہیں اور کوئی جانور کسی دوسرے جانور کا غلام نہیں ہوتا سب آزاد ہوتے ہیں سب اپنی مرضی سے جیتے ہیں۔ تو اس سے واضح ہوا کہ اپنی مرضی سے چلنے پھرنے' رہنے سہنے' کھانے پینے' اور جینے کو ہی آزادی کہتے ہین۔ لیکن ایک بات آپ نے اور بھی سنی ہوگی کہ اس قسم کی آزادی کی وجہ سے ہی جنگل کا ہر جانور دوسرے جانور کو مار بھی دیتا ہے' کھا بھی جاتا ہے اور جس کو جی چاہتا ہے بر باد بھی کر دیتا ہے۔ اسی لئے تو جنگل کا ہر جانور ایک دوسرے سے خوفزدہ رہتا ہے اور جانوروں کے اسی خوف کی وجہ ہی سے سارا جنگل خوفناک ہو جاتا ہے۔

پھر جانوروں کو تو کوئی گرفتار بھی نہیں کر سکتا' سزا بھی نہیں دیتا' انہیں نہ جیل ہوتی ہے نہ پھانسی تو ذرا سوچیئے کہ یہ تو آزادی نہیں ہوئی کہ آزاد بھی کہلاؤ اور ہر ہر سانس ڈرے اور سہمے بھی رہو' چھپتے بھی رہو' کسی قسم کا کوئی تحفظ ہی نہ ہو۔ اچھا اب اپنے مثال لیں۔ آپ بہت سارے بہن بھائی ہیں۔ ایک گھر میں رہتے ہیں۔ کوئی کام کرتا ہے ملازمت کرتا ہے' کوئی پڑھتا ہے۔ اور کوئی گھر کے کام کاج میں امی ابو کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ سب کو مکمل آزادی حاصل ہے سب اپنی مرضی سے سوتے جاگتے' اٹھتے بیٹھتے اور کھیلتے کودتے ہیں' ایک دوسرے کی خوشیوں اور دکھوں میں شریک ہوتے ہیں۔ کسی کو دوسرے سے نہ جان کا خطرہ ہوتا ہے، نہ برباد ہونے اور نہ پریشان ہونے کا خطرہ' بلکہ اگر کسی بہن بھائی پر کوئی مصیبت آ بھی جائے یا کوئی دشمن تنگ کرے تو سب مل کر اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور سب اس کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھتے ہیں۔ سب ایک جیسی جگہ پر رہتے ہیں' ایک جیسا کھاتے

اور پہنتے اور سب ایک جیسے انداز سے جیتے ہیں۔ پتا ہے یہ سب کس طرح اور کیوں ہوتا ہے؟ ہوتا یوں ہے کہ آپ کے امی ابو نے کچھ پابندیاں لگائی ہوئی ہیں کہ ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا نہیں ہے' ایک دوسرے کی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا' ایک دوسرے کا خیال رکھنا ہے' مل بانٹ کر کھانا، مل جل کر رہنا' ایک دوسرے کا احترام کرنا ہے' عزت کرنی ہے' ایک دوسرے کی ضرورت پوری کرنی ہے' تمیز سے پیش آنا اور ادب سے بولنا ہے جو ایسا نہیں کرتا' اسے ڈانٹ پڑتی ہے اور کبھی کبھی پٹائی بھی ہو جاتی ہے۔

ذرا غور کریں اگر یہ پابندیاں نہ ہوتیں تو سگے بہن بھائی ایک دوسرے سے کیا سلوک کرتے؟ ایک دوسرے کو ستاتے' مارتے' ایک دوسرے کی چیزیں چھینتے' نقصان پہنچاتے' دکھ دیتے' بدتمیزی کرتے' بے عزتی کرتے اور جب یہ کرنے لگتے۔ اس بات سے یہ نتیجہ نکلا کہ گھر کا سرپرست یا امی ابو جو پابندی لگاتے ہیں۔ وہ ہمارے فائدے اور ہمارے ہی بہتر مقصد کیلئے ہوتی ہے اور وہ مقصد تو یہی ہوتا ہے تاکہ سب بہن بھئی مل کر ایک اچھی اور مثالی زندگی گزاریں۔ ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی اور ایک کا دکھ دوسرے کا دکھ بن جائے اور سارے خاندان میں نام ہو جائے سب تعریف کریں۔ یہ تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کوئی بھی امی ابو' کسی بچے کا برا نہیں چاہتے' سب کیلئے دکھ اٹھاتے ہیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کا ہر بچہ قابل تعریف بن جائے سب زندہ و سلامت رہیں اور خوش و خرم رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بھی یہی منشاء ہے چونکہ وہ سب کا رب ہے سب کو پیدا کرنے والا ہے اور سب انسانوں کی بقاء' عزت زندگی اور خوشی چاہتا ہے اس لئے وہ نہیں چاہتا کہ انسانوں کو جنگل جیسی آزادی ملے وہ ایک دوسرے کو پھاڑ کھائیں اور ایک دوسرے کے لئے مصیبت' تباہی اور ڈر بن جائیں۔ چنانچہ سب کی بھلائی اور بہتری کے لئے اس نے کچھ پابندیاں عائد کر دیں اور کچھ ضابطے یعنی قانون بنا دیئے اور ان کو ''وحی'' کی صورت یعنی قرآن مکرم کی شکل میں آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے تمام دنیا کے انسانوں کی طرف بھیج دیا اور صاف صاف لفظوں میں یہ سمجھا دیا کی کوئی انسان نہ تو دوسرے انسانوں سے اپنی اطاعت کرنے کے لئے از خود کوئی قانون بنائے اور نہ کوئی ایسے قانون کو تسلیم کرے ((3/78 بھئی ہر انسان کو تو اپنی قوم' اپنی برادری اور اپنے بچے زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ کوئی انسان دوسرے

انسان کے لئے اپنے بچوں کی طرح سوچ نہیں سکتا۔ اسی لئے وہ انصاف سے کام نہیں لے سکتا۔ لہٰذا سب کو اللہ کے دیئے اور بنائے قانون کی پابندی کرنی چاہیے مسلمانوں کے نزدیک ''آزادی'' مفہوم ہوتا ہے اللہ کے قانون' یعنی قرآن کریم کی اطاعت (پابندی) کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

اب یہ بات بھی سمجھ لیں کہ قرآن پابندیاں کیوں لگاتا ہے؟ بھئی اس لئے لگاتا ہے کہ دنیا کے سارے انسان مل جل کر بے خوف' باعزت اور خوشحال زندگی بسر کریں۔ اس زندگی کو ہی تو جنت کی زندگی کہتے ہیں کہ اس طرح زندگی میں نہ کوئی غم' پریشانی اور دکھ ہوتا ہے اور نہ کسی قسم کا خوف اور خطرہ۔ انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے بامقصد پیدا کیا ہے۔ لہٰذا کسی مقصد کو پانے کے لئے تو کچھ پابندیاں لازمی ہوتی ہیں۔ اب غور سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کا حوالہ پڑھیں' حوالہ ہے (3/78)۔

''کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں' خواہ وہ حکمران ہو' حتیٰ کہ نبی ہی کیوں نہ ہو کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کے نہیں میرے محکوم بن جاؤ۔ اسے یہی کہنا چاہیے کہ تم اس کتاب (قرآن) کی اطاعت سے جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو اور اپنی سوچ اور فکر کا مرکز بناتے ہو فقط اللہ اللہ کے محکوم بن جاؤ'' کچھ سمجھ میں آیا کہ اس کا مطلب کیا ہوا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کے ساتھ ہی زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کی شریعت قانون پر عمل کرنے سے زندگی جنگل کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اسی لئے تو اسلام میں کسی بادشاہت کی کسی پارلیمنٹ کی اور کسی جمہوریت یا جمہوری نظام کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ ان کو ماننا شرک ہوتا ہے کہنے کو تو عوام کی اپنی حکومت' لیکن اس میں اکثریت والے لوگ' اقلیت والے لوگوں سے جبراً اپنی مرضی اور اپنے بنائے ہوئے قانون کی اطاعت کراتے اور من مانی کرتے ہیں اور یہ بدترین قسم ''غلامی'' ہوتی ہے۔

یہ اچھی طرح جان لیں کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے قانون (قرآن کریم) کی اطاعت کو حقیقی آزادی کہتے ہیں اور اس آزادی کو پالینے کے بعد انسان کو نہ کسی قسم کا خوف رہتا ہے اور نہ پریشانی بلکہ سکون اور آرام سے زندگی گزرتی ہے اور اس اچھی پرامن زندگی کے نتیجے میں آخرت کی زندگی بھی جنتی زندگی بن جاتی ہے۔ یاد رکھیئے' آخرت کی زندگی یعنی مرنے کے بعد کی زندگی اس موجودہ زندگی کو قدرت کے قوانین کے مطابق درست طریقے سے گزارنے کے نتیجے میں ہی ملتی ہے

۔جس نے یہاں ان قوانین پر عمل نہ کیا وہ کبھی مرنے کے بعد زندگی خوشگوار نہیں پا سکتا۔

میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو نہیں ہے بندۂ حر کیلئے جہاں میں فراغ

جشن نزول قرآن (عید)

یہ بات تو آپ جانتے ہی ہیں کہ رمضان کا مہینہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے نزدیک بڑا ہی مقدس ہوتا ہے کیونکہ یہی رمضان کا مہینہ تو ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرآن کریم بھیجنا شروع کیا تھا۔قرآن کریم کو وحی بھی کہتے ہیں تو اس بات ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہی وہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں انسانوں کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے اللہ نے وحی بھیجنے کا آغاز کیا تھا اور بھئی ہمارا یہ ملک یہ پیارا پیارا پاکستان بھی تو رمضان ہی کے مہینے میں قائم ہوا تھا اور ہندوستان میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کو انگریز اور ہندو قوموں کی غلامی سے نجات ملی تھی۔

کبھی سوچ دی کبھی خوں دیا کبھی گھر دیئے کبھی سر دیا
تیری مانگ کو میری سرزمیں انہی چاندتاروں سے بھر دیا

ہم 27 رمضان المبارک کو قائداعظمؒ کی راہنمائی میں غلام قوم سے آزاد قوم بن گئے تھے ۔تو بھئی ہم پاکستانی مسلمانوں کے لئے تو یہ رمضان کا پورا مہینہ اور بھی اہم ہو جاتا ہے۔

رمضان ختم ہوتا ہے تو عید آ جاتی ہے۔عید کیا ہوتی ہے؟ اور ہم مسلمان اسے کیوں مناتے ہیں؟ دنیا میں جتنی بھی قومیں یا جتنے بھی قبیلے ہیں۔سبھی کوئی نہ کوئی تہوار ضرور مناتے ہیں۔اب آپ پوچھیں گے تہوار کسے کہتے ہیں تو بھئی اس کو یوں سمجھ لیں کہ ایک ذاتی خوشی ہوتی ہے۔جیسے کوئی بچہ امتحان میں پاس یا کسی کی سالگرہ کا دن آیا اور اس نے اپنے دوست احباب اور رشتے داروں کو پارٹی دی او ور سب نے مل کر خوشی منائی لیکن یہ تو بڑی مختصر اور بڑی محدود طور پر چند لوگوں نے مل کر خوشی منائی۔باقی لاکھوں لوگ تھے۔انہیں اس خوشی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوئی وہ تو اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہے' لیکن ایک خوشی ایسی بھی ہوتی ہے۔جسے سارا گاؤں' سارا شہر بلکہ سارا ملک مل کر مناتا ہے۔ہر غریب' ہر امیر' بچہ' بوڑھا' جوان' استاد' شاگرد' پڑھا لکھا اور ان پڑھ سب مل کر خوشی منانے کو

تہوار کہتے ہیں اوراس طرح کے تہوار ہر مذہب کے ماننے والے اور ہر قوم کے لوگ ضرور مناتے ہیں۔

یہ جس قدر بھی تہوار ہوتے ہیں یہ خود انسانوں کے اپنے بھی بنائے ہوئے بھی ہوتے ہیں' یعنی ہر قوم خود فیصلہ کرتی ہے کہ کونسا تہوار کب اور کس طرح منانا چاہیے۔کوئی قوم نئے سال کے شروع ہونے کی خوشی میں تہوار مناتی ہے' کوئی گرمی ختم ہونے پر' کوئی سردی ختم ہونے پر فصلیں پک کر تیار ہوجانے پر۔کوئی اپنے پیغمبر کی پیدائش کے دن پر' غرض ان تہواروں سے اللہ کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔بس یہ انسانوں اور قوموں کی اپنی مرضی اور اپنی خوشی ہوتی ہے۔یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ دنیا کے لاکھوں کروڑوں تہواروں کے مقابلہ میں عید وہ واحد تہوار ہے۔جسے انسانوں نے نہیں بنایا۔

اس کا براہ راست تعلق اللہ سے ہے اور اللہ نے دنیا کے تمام مسلمانوں کو یہ تہوار منانے کی تاکید کی ہے' بلکہ حکم دیا ہے کہ عید کا تہوار جشن کی صورت میں منایا جانا چاہیے۔بھئی اب یہ بات جاننی اور بھی ضروری ہوگی کہ عید کے تہوار میں ایسی کونسی خاص بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے منانے کی تاکید کی ہے' بلکہ حکم دیا ہے اور ایک طرح سے اس کا منانا ہر مسلمان' مرد' عورت اور بچے پر فرض ہوگیا ہے۔؟اب مگر یہ راز جاننے سے پہلے ایک بات بتائیں کہ اگر کسی طریقے سے آپ کو اچانک یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں جگہ خزانہ چھپا ہوا ہے تو آپ کیا حالت ہوگی؟ بھئی اب یہ نہ پوچھنا کہ خزانہ کسے کہتے ہیں' کیونکہ آپ کے ابو اور ٹیچر نے پہلے ہی بتا رکھا ہے کہ جس جگہ ڈھیر ساری دولت رکھی ہو اور ڈھیر سارا سونا' چاندی اور ہیرے رکھے ہوں تو اسے خزانہ کہتے ہیں۔ظاہر ہے کہ اس خزانے کا علم ہوجانے سے اِتنی خوشی حاصل ہوگی کہ آپ کا دل زور زور سے دھڑکے گا۔

راتوں کی نیندیں اڑ جائیں گی اور سوائے اس خزانے کے خیال کے' آپ کو کسی بات کا ہوش نہیں رہے گا۔بس ہر وقت اسی کے بارے میں سوچیں گے۔اس کے خواب دیکھیں گے۔اپنا مستقبل بڑا سنہری بڑا ہی حسین دکھائی دینے لگے گا۔آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ آپ ساری دنیا اور ساری کائنات کے مالک بن گئے ہیں۔جانتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوگا؟ بھئی ایسا اس لئے ہوگا کہ کسی سے مانگے بغیر کوئی محنت کئے بغیر' اس کے بارے میں کچھ سوچے بغیر' اچانک بالکل اچانک آپ کو ایک خزانہ مل جائے گا اور

آپ ساری دنیا کے لوگوں سے زیادہ مالدار بن جائیں گے ہے نا'۔ اچھا اب ایک بات اور بتائیں کوئی بے چارہ اندھا پیدا ہوا۔ اسے معلوم ہی نہیں رنگ کیسے ہوتے ہیں۔ دھوپ چھاؤں کسے کہتے ہیں۔ انسانوں اور جانوروں کی شکلیں کیسی ہوتی ہیں' اور ان میں کیا فرق ہوتا ہے۔ گھر' عمارتیں' دریا' سمندر' سڑکیں' بسیں' ریلیں' جہاز' گندم' اناج' سبزیاں' پھل' میوے' پھول' اور طرح طرح کی چیزیں کیسی ہوتی ہیں۔ غرض اسے کائنات کی کسی بھی شئے کا علم نہیں ہوتا۔ وہ جانتا ہی نہیں کہ زمین آسمان کیا ہیں' کیسے ہیں اور ان کے درمیان اُڑنے اور رہنے والی اشیاء کی شکل کیا ہوتی ہے' اور چاند' سورج' ستارے کس طرح چمکتے ہیں۔ اس بے چارے کی دنیا میں تو بس اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے وہ صرف اندازوں اور اپنے ہی ذہن میں بتائی ہوئی شکلوں اور سوچوں کے سہارے جیتا ہے۔ اب ذرا غور کریں اگر کبھی ایسا ہو جائے کہ اچانک اس کی آنکھوں میں روشنی آ جائے اور وہ کسی محنت کے بغیر' کسی کی مدد کے بغیر خود سب کچھ دیکھنے جاننے اور پہچاننے لگے تو اس کی خوشی کا کیا عالم ہوگا۔ وہ اتنا خوش ہوگا کہ ناچ ناچ اٹھے گا۔ مدہوش ہو جائے گا۔ ساری دنیا سے بے خبر ہو کر اچھلنے' کودنے ناچنے لگے گا۔ بھلا بتائیں تو وہ ایسا کیوں کرے گا؟ بھئی سیدھی سی بات ہے وہ یہ خوشی اس لئے منائے گا کہ روشنی کے بغیر تو اگرچہ وہ پہلے بھی زندہ تھا۔ اس کے ہاتھ تھے' پاؤں تھے' دل تھا' دماغ تھا۔ ہر وہ چیز تھی جو دوسرے انسانوں کے پاس تھی۔ نہیں تھا تو بس حقیقت کا علم نہیں تھا۔ دوسروں کی محتاجی ہی محتاجی تھی یعنی دوسروں کی مدد کے بغیر نہ آزادی سے چل پھر سکتا تھا اور نہ کسی چیز کے بارے میں کچھ جان سکتا تھا' نہ کسی بھی منزل کے لئے اپنے راستے کا خود انتخاب کر سکتا تھا۔ بس ہر وقت بھٹکتا تھا' اور بڑی محدود سی زندگی گزارتا تھا اور وہ بھی دوسروں کے سہارے کے ساتھ۔ تو معلوم ہوا کہ زندگی اور انسان کے لئے اصل آزادی حقیقتوں کا علم ہو جانا اور عقل و دانش کی روشنی میں آ جانا ہی ہوتی ہے۔

قرآن نازل ہونے یعنی ہم انسانوں تک پہنچنے سے پہلے یا یوں کہیں کہ اسلام سے پہلے دنیا کے تمام انسان اس اندھے کی طرح تھے۔ جسے کسی بھی حقیقت کا کوئی بھی علم نہیں تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے تھے۔ کہنے کو وہ حکومت بھی کرتے تھے۔ کاروبار بھی کرتے تھے۔ چلتے پھرتے بھی تھے اور رسم و رواج کے مطابق زندگی بھی گزارتے تھے لیکن ان کی زندگی

اندھے کی زندگی کی طرح ہی تھی طرح طرح کے خوف کی غلامی کی زندگی ۔محتاجی کی زندگی' ذلت کی زندگی' ذرا بادل گرجا ڈر گئے ۔بجلی کڑکی' کانپنے لگے آندھی چلی' لرزنے لگے ۔طوفان آیا' گھگھی بندھ گئی ۔بیماری آئی' تو جان پر بن گئی ۔فصلیں خراب ہوگئیں' تو رونے اور گڑگڑانے لگے ۔ان سب چیزوں سے انسان اس قدر خوفزدہ تھا کہ ان سب سے نجات پانے کا ایک ہی راستہ اس کی سمجھ میں آیا کہ ان سب کو خدا بنا لیا جائے اور پھر اس خدا کے حضور میں قربانیاں اور نذرانے پیش کئے جائیں ۔اسی طرح جو چیزیں یعنی چاند' سورج' بادل' سمندر' دریا' پہاڑ' اسے فائدہ پہنچائیں انہیں بھی خدا بنا لیا جائے اور ان کی بھی پوجا اور پرستش کی جائے ۔چنانچہ انسان کے لاکھوں خدا تھے ۔وہ جس چیز سے ڈرتا تھا اسے فوراً خدا بنا لیتا تھا اور اس کے آگے جھک جاتا تھا ۔یہ خوف جب حد سے بڑھ گیا تو انسان ہر طاقتور چیز کے آگے جھکنا شروع ہوگیا ۔جس آدمی یا گروہ کے پاس طاقت ہوتی اسے بھی خدا کی طرح سجدہ کرنے لگتا ۔جو الٹے سیدھے الفاظ بول کر' آنکھیں نکال کر اور شکلیں بگاڑ کر ڈراتے اور کہتے کہ ہم جادو جانتے ہیں اور جادو کے زور سے نقصان پہنچا سکتے ہیں یہ ان سے بھی ڈر گیا اور جنہوں نے ڈرایا کہ وہ خداؤں کے دوست ہیں، ولی ہیں اور یہ طاقت رکھتے ہیں کہ وہ خداؤں سے تباہ و برباد کرا سکتے ہیں یا فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو ان کو اور ان کے بنائے ہوئے مذہب کے سامنے بھی سجدہ کرنے لگا ۔ان کے خوف کی غلامی اس حد تک بڑھ گئی کہ یہ مُردوں سے بھی ڈرنے لگا ۔اگر کسی مُردے کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا کہ یہ مُردہ بڑا ''پہنچا'' ہوا ہے' اور اس کی رسائی اللہ تک ہے تو یہ زندہ انسان اس مُردے کی قبر کو بھی سجدہ کرتا ۔اس کے پاس جا کر روتا' گڑگڑاتا اور اپنی منتیں مرادیں مانگتا ۔یہاں تک کہ یہ اس مُردے کو بھی خدا کا درجہ دینے لگ گیا ۔اس کا مُردے کے بارے میں بھی یہ عقیدہ ہوگیا کہ خدا کی طرح یہ سنتا ہے' دیکھتا ہے ۔دنیا کے کسی بھی حصہ میں اسے پکارا جائے یہ مُردہ اس کی پکار کا جواب دیتا ہے ۔حاجت پوری کرتا ہے اور اگر اس مُردے کے خلاف کوئی دل میں بھی برا خیال آجائے تو یہ تباہ و برباد کر دینے کی طرح طاقت رکھتا ہے ۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔تم ان کو جو قبروں میں مدفون ہیں نہیں سنا سکتے ((35/22 ۔

ہزاروں خوف اور ہزاروں خداؤں میں گھرا ہوا یہ انسان زندہ ہوتے ہوئے بھی زندگی کی

نعمتوں سے محروم تھا۔اس کی کوئی منزل نہ تھی۔کوئی اختیار نہ تھا۔کوئی آزادی نہ تھی۔ ہر طرف اندھیرا تھا گمراہی تھی' ذلت تھی اور ہر ہر سانس میں طرح طرح کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔قرآن آیا اوراس نے ایک ہی اعلان میں انسان کو ہر طرح کی غلامی اورخوف سے نجات دلا دی۔

اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دلاتا ہے آدمی کو نجات

اس نے کہا کہ کائنات کی یہ ساری قوتیں ہم نے اس لئے بنائی ہیں کہ یہ تمہیں سجدہ کریں' تمہارے سامنے جھک جائیں۔تم انہیں تسخیر کر سکتے ہو۔جس طرح چاہوان قوتوں کو اپنے کام میں لا سکتے ہو۔اس نے کہا کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر حکومت نہیں کرسکتا۔سارے انسان ایک جیسی عزت وتکریم رکھتے ہیں۔((17/70اس نے کہا کوئی انسان حتیٰ کہ کوئی رسولؑ بھی غیب کا علم نہیں رکھتا۔ ((10/20 کوئی بھی انسان اللہ کے اتنا قریب نہیں ہوسکتا کہ وہ اللہ سے جس کو چاہے برباد کرادے اور جس کو چاہے آباد کرادے۔ بلکہ اس نے کہا کہ یہ جو مذہب کے بڑے بڑے دعویدار اور پیشوا بنتے ہیں' اور لوگوں کو اللہ کی طرف لے جانے کا راستہ دکھانے کا دعویٰ کرتے ہیں دراصل یہی ہیں جو انسانوں کو اللہ تک جانے کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔لہٰذا ان سے ڈرنے اوران کے پیچھے لگنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔یہ تو خود تمہاری روٹی کے محتاج ہیں((9/34۔

قرآن کی یہ آواز جب دنیا میں گونجی تو ایک پل میں انسان ہر قسم کے خوف' ذلت گمانوں اور وہموں سے اور ہر قسم کی غلامی سے آزاد ہوگیا۔کائنات کی قوتیں' جن سے وہ ڈرا کرتا تھا۔سہا کرتا تھا ۔وہ اسے ہیچ اور بڑی حقیر دکھائی دینے لگیں۔اانسان کو ''علم'' ہوا کہ وہ تو بڑا اعظیم ہے۔جس طرح اچانک روشنی مل جانے سے ''اندھا'' اندھا نہیں رہتا۔ہر حقیقت اس پر ظاہر ہوجاتی ہے اور وہ ہر شے کو اپنے اپنے مقام پر صحیح اور واضح طور پر دیکھ سکتا ہے' سمجھ سکتا ہے اور خود اس کے بارے میں فیصلہ کرسکتا ہے' بالکل اسی طرح قرآن آجانے سے انسان کو ہر حقیقت کا علم ہوگیا۔

قرآن کریم میں ایک سورت ہے جسے سورۃ یونس کہتے ہیں۔اس سورت کی آیت نمبر 54 میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا بھر کے لوگو! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے ایک (ضابطہ حیات) یعنی زندگی گزارنے کے طریقوں کی کتاب آ گئی ہے جو اپنے اندر انسانوں کی تمام بیماریوں کا

علاج (یعنی تمام مسائل کا حل) رکھتی ہے۔

اللہ نے پھر فرمایا کہ اے رسولؐ آپ بتا دیجئے کہ اگر تم زندگی بھر کوشش کرتے تو اس جیسا ضابطۂ حیات نہیں پا سکتے تھے یہ ساری دنیا اور ساری کائنات سے افضل اور بہتر ہے جو تمہیں کسی محنت یا کوشش کے بغیر مل گیا ہے۔ لہٰذا اتنی اعلیٰ اور نادر و نایاب چیز مل جانے پر اور آسانی سے اچانک مل جانے پر خوشیاں مناؤ جشن مناؤ۔

آپ نے دیکھا کہ خوشی منانے اور جشن منانے کی تاکید خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اور اس لئے فرمائی ہے کہ قرآن مل جانے کے بعد یعنی نازل ہونے کے بعد انسان اس دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو گیا۔ یہ جو عید ہم مناتے ہیں دراصل یہ محض اس لئے نہیں مناتے کہ ہم نے روزے رکھے تھے اور جب روزے ختم ہو گئے تو ختم ہونے کی خوشی میں کوئی تہوار یا جشن منا لیا۔ بلکہ ہم عید مناتے ہیں ایسی کتاب (قرآن) کے نازل ہونے کی خوشی میں جس نے ہمیں ذلتوں اور لاکھوں کروڑوں قسم کی غلامیوں سے نجات دلائی۔ تو عید کا جشن ہوا ''جشن نزول قرآن''۔

یہ تو آپ جان گئے کہ عید کیا ہے اور ہم عید کیوں مناتے ہیں۔ لیکن ایک بات اور بتا تا چلوں کہ اسی سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اگر تم دوبارہ وہی کچھ کرنے لگے جو اسلام سے قبل کیا کرتے تھے یعنی انسانوں پر انسانوں کی حکومت تو ذلت' غلامی اور خوف پھر تمھارا مقدر بن جائے گا۔

عیدِ محکوماں ہجومِ مومنین
عیدِ آزاداں شکوہِ ملت و دیں

عمل

(باب عمل)

عملسے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نوری ہے نہ ناری ہے

آپ اسلامی تعلیمات کو بخوبی سمجھنے لگے ہیں آیئے عمل کے متعلق بات کرتے ہیں۔عمل سے مراد کام' کاج ہنر مندی' ہوشیاری سے کام کرنا۔بعض لکھتے ہیں کہ عمل فعل سے بھی زیادہ خالص حالت کو کہتے ہیں اس لئے کہ عمل ایک طرح شفقت سے کسی کام کو کرنے کے لئے بولا جاتا ہے ''راغب'' نے کہا ہے کہ عمل ہر وہ کام ہے جو کسی جاندار سے ارادتاً سرزد ہو۔صاحب محیط اہل لغت کا یہ قول لکھا ہے کہ عمل درحقیقت علم کی مقلوب شکل ہے (مقلوب کا مطلب علم کو کسی قالب میں ڈھال دینا' شکل دے دینا) اور کہا کہ عمل کے لئے لازمی شرط یہ بھی ضروری ہے کہ وہ محض ہنگامی طور پر انجام نہ دیا گیا ہو بلکہ عام طور پر (یعنی ہمیشہ) کیا جاتا ہو۔قرآن کریم ان اعمال کے لئے ہی نتائج ملنے کی خوشخبری دیتا ہے جنہیں انسان نے ارادتاً اور قصداً کیا ہو۔((16/97 جو کوئی عمل صالح (صلاحیت بخش کام) کرتا ہے۔مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو تو ہم بالضرور انہیں خوشگوار زندگی عطا کریں گے اور انہیں بہ احسن طریق ان کے کاموں کا اجر دیں گے جنہیں وہ کرتے رہے ہیں۔قرآنی تعلیمات کا مرکزی نقطہ بھی یہی ہے۔ایمان اور عمل صالح۔آپ نے پڑھا کہ عمل کے لئے علم لازمی شرط ہے اسی طرح علم کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے عمل بھی لازمی شرط ہے۔

اسکی مثال یوں ہے۔آپ کو علم حاصل ہو گیا کہ شہد انسانی صحت کے لئے مفید ہے' فرحت بخش ہے' میٹھا ہوتا ہے لیکن یہ علم نہ آپ کے منہ کو میٹھا کر سکتا ہے' نہ صحت بخش' نہ فرحت۔جب تک آپ اس شہد کو حاصل نہ کریں اور اسے اٹھا کر منہ میں نہ ڈالیں لہٰذا علم کے بغیر عمل کے اپنے مقاصد پورے نہیں کر سکتا۔اب اس مثال کو الٹا کر دیکھتے ہیں۔مثلاً بغیر مکمل علم کے عمل کرنا کیا نتیجہ دیتا ہے۔آپ کو صرف اتنا علم تو ہے کہ شہد ملکے

پیلے رنگ کا گاڑھا سیال مادہ ہوتا ہے' ذائقہ کا علم نہیں،اس کے خالص ہونے کی نشانیاں معلوم نہیں تو آپ گاڑھے سیال شکل کی کوئی پیلی چیز مثلاً تیل کو ہی شہد سمجھ کر پی لیں گے۔چونکہ ذائقہ تو معلوم نہیں تھا۔لہٰذا شہد کی مطلوبہ فرحت بخشی سے محروم رہیں گے اور نقصان بھی ہوسکتا ہے لہٰذا علم اور عمل لازم وملزوم ہیں۔علم کے بغیر عمل اور عمل کے بغیر علم دونوں اپنی اہمیت کھودیتے ہیں۔درست اور مثبت نتائج حاصل کرنے کے لئے بھرپور علم وعمل درکار ہوتے ہیں۔اسی لئے تو ہمارے پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے ''رب زدنی علما'' اے رب۔میرے علم کو اور زیادہ کردے۔اور اللہ تعالیٰ نے ساتھ ساتھ فرمادیا(7/43) تم ان اعمال کے بدلے میں جو دنیا میں کرتے تھے اس جنت کے وارث بنادیئے گئے ہو)اور انہی کے لئے فرمایا((46/14 اہل جنت ہمیشہ اس میں رہیں گے یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے)مگر یہ بھی بتادیا کہ کہیں خود فریبی میں نہ رہنا عمل ضائع بھی ہوجاتے ہیں((18/105 کہہ دو کہ ہم تمھیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں۔وہ لوگ جن کی سعی (کوشش) دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کررہے ہیں وہ یہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا(یقین نہیں کیا) تو ان کے عمل ضائع ہوگئے (اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے کچھ وزن قائم نہیں کریں گے)

کون سے عمل قابل قبول ہونگے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے(46/15جن سے انسانوں کو فائدہ پہنچے(ینفع الناس)((13/17''یعنی جس عمل سے کسی انسان کو فائدہ نہ پہنچے وہ بظاہر کیسا ہی اچھا لگے اللہ تعالیٰ کے معیار پر پورا نہیں لہٰذا ضائع ہوجاتا ہے کوئی مثبت نتیجہ نہیں دیتا۔آیئے آپکو ایک دلچسپ ترتیب بتائیں۔

علم = ع ل م

ع م ل = عمل

یعنی علم اور عمل ایک سکے کے دورخ ہیں۔

ع ل م = ع م ل

علم + عمل = نتیجہ

اور عمل سے فارغ ہوا مسلماں کر کے تقدیر کا بہانہ

جچتے نہیں بخشے ہُوے فردوسِ نظر میں جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں

وہ کل کے غم وعیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا جو آج خود افروز وجگر سوز نہیں ہے

جدو جہد

تم کائنات میں غور کرو اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے ذمے جو کام لگایا ہے وہ اس کام کو تکمیل تک پہنچانے میں ہر وقت سرگرم عمل رہتی ہے۔سورج کس طرح اپنے وقت پر چڑھتا اور وقت پر ڈوبتا ہے سردی اور گرمی، اور بہار اور خزاں، کس طرح اپنے وقت پر آتی ہیں۔ ہوائیں کس طرح اپنی اپنی سمت میں چلتی رہتی ہیں۔غرضیکہ کائنات کی ہر شے ہر وقت اپنے اپنے کام میں مصروف رہتی ہے اسلام انسانوں سے بھی یہی توقع کرتا ہے اور انہیں اسی قسم کی زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے۔وہ واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ ((53/39) *انسان اسی چیز کو بطور اپنے حق کے لئے لے سکتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے*)

اس نے ایمان کے ساتھ "عملوا الصلحت" کی لازمی شرط لگادی ہے یعنی مسلم وہ ہے جو کہ اس کے قوانین (قرآن شریف) کی صداقت پر یقین رکھے اور ویسے کام کرے۔

اعمال صالح:۔جن سے اس کی صلاحیتیں نشوونما پائیں۔جن سے دنیا سنور جائے اور ہر ایک کی اصلاح ہوجائے۔وہ کہتا ہے کہ انسان کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اس کے کاموں پر ہے تجزون ما کنتم تعملون ((45/68 تمہیں اپنے کاموں ہی کا بدلہ ملتا ہے۔اس لئے وہ مومنوں کا شعار (طرز زندگی) یہ بتاتا ہے کہ وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہتے ہیں اور اس کے لئے جہاں دولت صرف کرنی پڑے دولت خرچ کرتے ہیں اور اگر جان تک دینی پڑے تو جان بھی دے دیتے ہیں۔(9/111)

عملی زندگی:۔لیکن یہ مقصد جس کی تکمیل کے لئے ایک مردمومن ہمیشہ مصروف رہتا ہے اور ہر طرح کی قربانی دیتا ہے۔یہی مقصد ہے کی دنیا میں صحیح قرآنی نظام قائم ہوجائے۔جس سے تمام انسانوں کی

ضروریات زندگی پوری ہوتی ہیں اوران کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔

لہٰذا یاد رکھیں کوشش کے بغیر انسانوں کو کچھ نہیں ملتا اور ایک کا عمل دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔اسلام عمل سکھاتا ہے۔کوشش کرنے کی تاکید کرتا ہےاور ہر ایک کواس کی کوشش کا پھل ملتا ہے۔

زخمی زخمی ہاتھ آنکھیں لہو لہو آسان نہیں ہے دوست مقدر تراشنا

اپنی اپنی ذمہ داری

تمہیں معلوم ہے کہ صبح کی سیر سے انسانوں کی صحت اچھی ہوجاتی ہے۔لیکن تم نے کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ ایک شخص خود تو بستر پر لیٹا رہےاور اپنے ملازم سے کہے کہ وہ صبح اٹھ کر اس کی جگہ تین میل کی سیر کر آیا کرے اوراس سے صحت اس شخص کی اچھی ہوتی چلی جائے؟اسی طرح یہ بھی کبھی نہیں ہوتا کہ تم محنت سے پڑھتے رہو اور قابلیت اس لڑکے کی بڑھتی رہے جو کتاب کو ہاتھ نہ لگائے اور سارا وقت کھیلنے میں ضائع کردے۔یہ اس لئے کہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جواچھا کام کرے گااس کا پھل اسی کو ملے گااور جو غلط کام کرے گا اس کا نقصان بھی اسی کو ہی ہوگا۔دوسری طرف یہ بھی کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ہر ایک اپنے اپنے کام کا خود ذمہ دار ہوگا۔نہ کوئی اپنا کام دوسرے پر لادے گااور نہ ہی ایسا ہوگا کہ ”کرے کوئی اور بھرے کوئی“۔

بلکہ جیسی کرنی ویسی بھرنی

اسی کواللہ کا قانون ’مکافات عمل‘‘ کہتے ہیں۔یعنی وہ قانون جس کے مطابق ہر شخص کواس کے کاموں کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ملتا ہے اس دُنیا میں بھی اور اُس دُنیا میں بھی

اپنی کمائی (رزق حلال)

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

آتی ہو جس رِزق سے پرواز میں کوتاہی

جب اسلام کوشش اور عمل کی اس قدر تاکید کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ کسی شخص کا خود کچھ کام نہ کرنا اور دوسروں کی کمائی پر زندگی بسر کرنا اسلام کے نزدیک کس قدر برا ہوگا۔

اپنی کمائی:۔ دوسرے کی کمائی پر گزارہ کرنے والوں کو عربی زبان میں ''مترفین'' کہتے ہیں۔ قرآن کی کئی ایک آیتوں میں لکھا ہے کہ مترفین اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسولوں کے سخت دشمن ہوتے ہیں۔ وہ سہل انگار اور سست ہو جاتے ہیں۔ محنت کرنے اور خود کما کر کھانے سے جی چراُتے ہیں کہ دوسرے محنت کریں اور وہ مفت کی کھاتے رہیں۔ قرآن کریم ایسے لوگوں کی سخت مخالفت کرتا ہے۔ وہ مومنوں کو تاکید کرتا ہے کہ فابتغو عنداللہ الرزق (29/17) ''اللہ کے مقرر کئے ہوئے قاعدے کے مطابق رزق کی تلاش کرو'' ۔

جائز رزق:۔ ''اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قاعدے'' سے یہ مراد ہے کہ رزق کو جائز طریق سے حاصل کرو۔ ناجائز طریقوں سے مت حاصل کرو لا تاکلوا مولکم بینکم بالباطل (2/188) ''آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ ''۔

ناجائز رزق:۔ دھوکے' فریب یا چوری سے دوسرے کا مال لے لینا یا کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا دوسرے کی محنت کی کمائی کو خود لے لینا۔ کسی کے حق میں کمی کر دینا' سب ناجائز طریقے ہیں۔

خرچ (اسراف وتبذیر)

انسان کو محنت کر کے زیادہ سے زیادہ کمانا چاہئے لیکن اسے اس کمائی میں سے خرچ کرنے میں نہ اسراف کرنا چاہئے نہ تبذیر۔ اسراف کے معنی ہیں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور تبذیر کے معنی ہیں بلا ضرورت خرچ کرنا۔ ایک مومن کو میانہ روی کی زندگی اختیار کرنی چاہئے اور اس کے مطابق خرچ کرنا چاہئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی کی کمائی اس کے ضرورتوں سے زیادہ ہو تو اسے کیا کرنا چاہئے ؟ ظاہر ہے کہ دنیا میں لاکھوں، کروڑوں ایسے آدمی بھی ہیں جن کی کمائی ان کی ضرورت کے لئے کافی نہیں ہوتی یا جو کسی حادثے یا بیماری کی وجہ سے کمائی کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ ان کی ضروریات کا پورا کرنا اس نظام ربوبیت کے ذمے ہے جسے مومنوں کی جماعت قائم کرتی ہے لہٰذا وہ روپیہ جو کسی کی اپنی ضروریات سے بچ جائے اس قسم کے لوگوں کا حق ہے۔

وفی اموالھم حق للسائل ولمحروم)(51/19

"ان کی دولت میں ضرورت مندوں اور محروموں کا حق ہے"۔

دوسروں کا حق :۔ اپنی ضروریات سے جس قدر زیادہ ہو سب کا سب دوسروں کی پرورش کے لئے دے دینا ہوگا۔

ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو)(2/219

"تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کس قدر مال و دولت اس مقصد کے لئے کھلا رکھنا چاہئے۔ ان سے کہہ دو کہ جس قدر بھی ضروریات سے زیادہ ہو سب کا سب"۔

نظام کے ماتحت:۔لیکن اس کمائی کو ربوبیت عامہ کے لئے ایک نظام کے ماتحت کھلا رکھنا ہوگا۔اسی نظام کو"سبیل اللہ" کہتے ہیں۔یعنی اللہ کا بتایا ہوا رستہ۔

انفقوا فی سبیل اللّٰہ ((2/190

"اپنی کمائی کو اللہ کے بتائے ہوئے نظام کو خاطر کھلا رکھو"۔

جب نظام نہ ہوتو....! یا جب تک یہ نظام قائم نہ ہوتو اس وقت تک یہ روپیہ اپنے اپنے طور پر دوسرے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے خرچ کرنا چاہیئے۔لیکن یہ صرف مجبوری کی حالت ہے۔صحیح اسلامی زندگی وہی ہے جس میں صحیح اسلامی نظام قائم ہو۔اس لئے جب ایسا نظام قائم نہ ہوتو اس قسم کا نظام قائم کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کا اولین فریضہ ہونا چاہیئے۔اسلامی نظام کے بغیر اسلامی زندگی بسر ہو ہی نہیں ہوسکتی۔اسے اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔اسلامی نظام کو اسلامی حکومت بھی کہتے ہیں۔یعنی وہ حکومت جو قرآنی احکام اور قوانین کو نافذ کرے اور اس کے تمام عہدے داران و ذمہ داران پہلے خود بھی عمل کر کے نمونہ بنیں۔

کفر کے نظام میں تقوے کی آرزو؟
کیسا حسیں فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم

ربوبیت

آپ ایک طوطا پالتے ہیں۔اس کی حفاظت کے لئے اسے پنجرے میں رکھتے ہیں تا کہ اسے بلی دبوچ کر نہ لے جائے۔اس کے ساتھ ہی آپ اس کے پانی اور دانے کا بھی انتظام کرتے ہیں تا کہ اس کی پرورش ہوتی جائے۔پھر آپ ہر روز بڑی محنت سے اسے بولنا سکھاتے ہیں۔اس کے لئے خاص احتیاط برتتے ہیں کہ اچھی باتیں سیکھے' بری باتیں نہ سیکھے۔

اس تمام پروگرام کو عربی زبان میں ربوبیت کہتے ہیں یعنی کسی کی پرورش کرنا' تربیت کرنا اور ایسا احسن طریق سے کرنے والے کو رب کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو رب اسی لئے کہا ہے کہ اس نے انسانوں میں پرورش کے لئے رزق کا سامان پیدا کرنے کی صلاحیت رکھ دی ہے۔لیکن اس کے باوجود آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں نہ پیٹ بھر کر کھانے کو ملتا ہے نہ پہننے کو کپڑے' نہ رہنے کے لئے مکان' نہ بیماری میں ان کا علاج ہوتا ہے نہ ان کے بچوں کی تعلیم کا انتظام ہوتا ہے وہ جاہل رہ جاتے ہیں یعنی ان لوگوں کی پرورش اور ان کے بچوں کی تربیت نہیں ہوتی پاتی اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی پرورش کے لے جو کچھ دے رکھا ہے اس کی تقسیم کا صحیح انتظام نہیں کیا جاتا۔

اسماناں دے اُڑدے پنچھی ویکھ تے سہی کی کردے نیں؟
نہ او کردے رزق زخیرہ نہ او پُھکھے مردے نیں
کدے کسے نیں پنکھ پکھیرو پُھکھے مردے ویکھے نیں؟
بندے اِی کردے رزق ذخیرہ بندے اِی پُھکھے مردے نیں

مومنوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ یہ ایسا انتظام کریں۔جس سے تمام لوگوں کی پرورش بھی ہوتی جائے

اوران کے بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت بھی۔جس جگہ اس قسم کا انتظام ہو اسے اسلامی معاشرہ کہتے ہیں اور جس طریقے سے ایسا انتظام کیا جاتا ہے اسے اسلامی معاشرت کہتے ہیں۔معاشرت کے معنی مل جل کر رہنا ہیں۔

جب آپ بڑے ہوں گے تو قرآن شریف کے بڑے بڑے احکام آپ کے سامنے آئیں گے۔اس کتاب میں اس قسم کے چھوٹے چھوٹے احکام بیان کئے جاتے ہیں جن کا تعلق ہماری روزمرہ کی زندگی سے ہے۔انہیں بڑے غور سے پڑھیں۔اچھی طرح سمجھیں اور پھر ان کے مطابق کام کریں یاد رکھیں! فائدہ اسی بات سے ہوتا ہے۔جس پر عمل کیا جائے۔اگر تمہیں اچھی طرح سے معلوم ہو جائے کہ ورزش کرنے سے صحت ٹھیک رہتی ہے لیکن تم ورزش کرو نہیں تو تمہاری صحت ٹھیک نہیں رہ سکتی۔صحت اسی کی ٹھیک رہے گی جو ورزش کرے گا۔اللہ کے احکام کو سمجھنے کا فائدہ اسی کو ہوگا جو ان پر عمل کرے گا۔

جو حرف ِ قُلِ العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اِس دور میں شائید وہ حقیقت ہو نمودار

اسلامی معاشرہ کیسے قائم ہوتا ہے

سابقہ صفحات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ دنیا میں امن اور سلامتی قائم رکھنے اور تمام لوگوں کی پرورش اور تربیت کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے۔ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ وہ ہوگا جس میں تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں اور کوئی بات ان قوانین کے خلاف نہ ہو۔

آپ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ وہ قوانین ہمیں کہاں سے ملیں گے۔اس کا جواب واضح ہے یہ قوانین اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ''وحی'' کے ذریعے دیئے تھے اور اب وہ سب کے سب قرآن شریف کے اندر موجود و محفوظ ہیں۔انہی قوانین کو قرآن شریف کے احکام کہتے ہیں۔(احکام حکم کی جمع ہے)۔جس معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر ہوتی ہوا سے اسلامی حکومت کہتے ہیں۔

یہ اسلامی معاشرہ ایک دن قائم ہو کر رہے گا اللہ کا وعدہ ہے مگر کون کون اس کے قیام میں اپنا کتنا حصہ ڈالتا ہے یہی کامیابی ہوگی۔

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجوُد پھر جبیں خاکِ حرم سے آشکارا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوہِ خورشید سے یہ چمن معمور ہوگا نغمہِ توحید سے

۔قرآن شریف میں ہے۔

و من لم یحکم بما انزل اللّٰہ فو لیک ھم الکفرون.......(5/44)''

جولوگ اللہ تعالیٰ کے حکموں (قرآن شریف) کے مطابق اپنے معاملات کا فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں''۔

انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چُھپا کر کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اِسرار

احترام انسانیت

دنیا میں جتنے بچے پیدا ہوتے ہیں سب انسانی بچے ہوتے ہیں۔یعنی انسان ہونے کی حیثیت سے سب ایک جیسے ہوتے ہیں کوئی بچہ پیدائش کے لحاظ سے نہ امیر ہوتا ہے نہ غریب' نہ سید ہوتا ہے نہ پٹھان' نہ ادنیٰ ہوتا ہے نہ اعلیٰ' نہ افسر ہوتا ہے نہ ماتحت لیکن ہم ان بچوں میں خود فرق پیدا کر دیتے ہیں۔امیر کے بچے کو ہر کوئی اٹھائے پھرتا ہے۔غریب کے بچے کو کوئی پوچھتا تک نہیں۔حاکم اور افسر کے بچے کی ہر ایک عزت کرتا ہے ماتحت اور ملازم کے بچے کو بات بات پر جھڑکیاں پڑتی ہیں۔حالانکہ نہ امیر کے بچے کی یہ کوئی اپنی خوبی تھی کہ وہ امیر کے گھر پیدا ہو گیا' نہ غریب کے بچے کا کوئی قصور تھا کہ وہ غریب کے گھر پیدا ہو گیا یہ تو ہندوازم کا نظریہ ہے کہ پچھلے جنم کے اچھے یا برے اعمال کی وجہ سے انسان اِس جنم میں اچھے یا برے گھرانے میں پیدا ہوتا ہے۔جبکہ اسلام میں اپنی پیدائش پر کسی کو کوئی اختیار نہیں ہوتا اس لئے امیر اور غریب' حاکم اور ماتحت کے بچوں میں محض پیدائش کے لحاظ سے یہ فرق سخت بے انصافی کی بات ہے۔اسی طرح بعض ذاتوں کو اونچا اور بعض کو نیچا سمجھنا بڑا غلط ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے کہ ولقد کرمنا بنی آدم)(17/70 *"ہم نے تمام انسانی بچوں کو یکساں طور پر عزت کے قابل بنایا ہے"*۔

اس لئے دنیا کا ہر انسان' صرف انسان ہونے کے لحاظ سے عزت کا مستحق ہے خواہ وہ کسی ملک کا رہنے والا ہو' کسی قوم کا فرد ہو۔وہ کوئی سی زبان بولے اس کا کچھ ہی مذہب ہو۔وہ امیر کا بیٹا ہو یا غریب کا اس کا انسان ہونا اس کی عزت کے لئے کافی ہے۔اب رہا یہ کہ معاشرے میں لوگوں کی عزت اور ذلت کا معیار کیا ہے۔فرمایا ولکل درجت مم عملوا)(46/19 *"ہر ایک کا درجہ اور مقام اس کے کاموں کے لحاظ سے متعین ہے"*

یعنی جو اچھے کام کرے اس کی عزت زیادہ ہو۔جو برے کام کرے اس کا درجہ کم ہو۔جب اچھے کام کرنے والا غلط کام کرنے لگ جائے تو اسی نسبت سے اس کی عزت کم ہو جائے گی۔جب غلط کام والا اچھے کام کرنے لگے تو انہی کاموں

کے مطابق اس کا درجہ بڑھتا جائے گا۔ یہ کبھی نہ دیکھا جائے کہ وہ کس کا بیٹا ہے اور کس کی اولاد ہے کیونکہ

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم)(49/13

تم میں سے سب سے زیادہ عزت کا مستحق وہ ہے جو سب سے زیادہ قوانین الٰہی کی پابندی کرتا ہے۔

زیب وزینت (وضع قطع)

انسان کو اپنی وضع قطع ایسی رکھنی چاہیے جو اپنے آپ کو اور دوسروں کو خوشنما نظر آئے

اسلام میں زیب وزینت کی چیزوں کا استعمال منع نہیں مگر توازن لازمی ہے۔

من حرم زینتہ اللّٰہ التی اخرج لعبادہ......(7/32)

"اللہ نے اپنے بندوں کے لئے جو زیب وزینت کی چیزیں پیدا کی ہیں انہیں کون حرام قرار دے سکتا ہے؟

لباس کا ضروری مقصد تو یہی ہے کہ اس سے انسان کی ستر پوشی ہو اور وہ سردی گرمی سے محفوظ رہے لیکن اس کی وضع قطع بھی دیدہ زیب ہونی چاہیے۔ قد انزلنا علیکم لباسا یواری سواتکم وریشا........(7/26) "اور ہم نے تمہارے لئے لباس بنایا ہے جو تمہاری ستر پوشی کرتا ہے اور زینت وآرائش کا موجب بھی ہے"۔

حُسن اور زیبائش۔ دنیا کی ہر شے میں تناسب اور حسن ہے۔ تناسب کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز جتنی ہونی چاہیے اتنی ہی ہو۔ مثلاً کھانے میں جس قدر نمک ہونا چاہیے اتنا ہی ہو نہ کم ہو نہ زیادہ۔ اسی کو حسن کہتے ہیں احسن کل شی خلق)(33/7 "اللہ نے ہر شے کو بہترین حسن وتناسب کے ساتھ پیدا کیا ہے"۔ اس لئے انسان کے ہر انداز میں بھی حسن اور تناسب ہونا چاہئے۔ صاف ستھرا اور صحت مند جسم، دیدہ زیب لباس (لیکن فضول خرچی سے بنایا ہوا نہیں) پسندیدہ عادتیں اور دل کش نیک آرزوئیں غرضیکہ اس دنیا کی زندگی بھی خوشگوار اور حسین ہونی چاہئے اور آخرت کی زندگی بھی۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنتہ وفی لاخرتہ حسنتہ۔۔) 2/201

"اے ہمارے پروردگار ہماری اس دنیا کی زندگی بھی حسین وخوشگوار بنا دے
اور آخرت کی زندگی بھی حسین وخوشگوار"۔

اپنی وضع قطع خراب رکھنا' شکل وصورت بدنما بنائے رکھنا اچھی بات نہیں لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ انسان ہروقت بننے سنورنے میں لگا رہے اور فیشن کی دھن اس کے اعصاب پر سوار رہے ہر چیز ہر کام میں توازن لازمی ہے۔

(باب اعتدال)

مساواتِ (مرد عورت)

ہمارے معاشرہ میں عام طور پر لڑکوں کو ترجیح دی جاتی ہے اور لڑکیوں کو کم تر درجے کا سمجھا جاتا ہے اسی نسبت سے مردوں کو عورتوں کے مقابلے میں افضل سمجھا جاتا ہے اور عورت کو محض عورت ہونے کی وجہ سے مردوں کے مقابلہ میں ذلیل قرار دیا جاتا ہے۔ایسا کرنا بہت بُری بات ہے۔قرآن شریف کی رُو سے لڑکے اور لڑکیاں' مرد اور عورتیں سب انسان ہیں اس لئے انسان ہونے کی وجہ سے یکساں عزت کے قابل۔ پیدائش کی رُو سے نہ مرد عورتوں سے افضل ہیں۔نہ عورتیں مردوں سے کمتر۔معاشرہ میں عزت کا معیار ہر ایک کا عمل (کام) ہے اور اعمال کی کیفیت یہ ہے کہ۔

لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض)(3/195

''عورت ہو یا مرد اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا''۔

(ہر ایک کا بدلہ یکساں طور پر ملتا ہے ان میں فرق ہو کیسے سکتا ہے؟ اس لئے کہ مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے جزو ہیں۔)

گناہ کا تصور اور حقیقت

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ گناہ عربی کا لفظ نہیں کیونکہ لفظ کا پہلا حرف ''گ'' عربی کے بنیادی حرف تہجی میں شامل ہی نہیں بلکہ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے جو کہ اردو میں استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں (خطا' برُا کام' وہ برُا کام جس کی وجہ سے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملے گی۔

قرآن کریم کا اردو ترجمہ کرتے وقت جن عربی الفاظ کا ترجمہ گناہ کیا گیا ہے وہ یہ تین ہیں۔ اِثم عدوٗ جرم۔ ان الفاظ کا ترجمہ کرنے سے جو تصور ذہن میں بنتا ہے وہ یہ ہے ''ایسا کام جس کی وجہ سے انسان کو اللہ کی طرف سے آخرت میں سزا ملے گی دراصل یہ تصور ان الفاظ کی پوری وضاحت نہیں کرتا جس کی وجہ سے ہم میں اکثر غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں آپ کے سامنے ان تینوں الفاظ کا الگ الگ عربی لغت سے معنی پیش کرتا ہوں آپ خود فیصلہ کیجئے کہ فرق کس قدر ہے اور حقیقت کس قدر پوشیدہ ہے

1 اثم۔۔۔۔ناقہ الاثمۃ: اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو تکان کی وجہ سے مضمحل ہوچکی ہو اور اس لئے بہت آہستہ آہستہ چلے۔ ''المواثم'' وہ اونٹ جو اضمحلال کی وجہ سے چلنے میں جواب دے جائے۔ (تاج العروس) لہٰذا اثم کے بنیادی معنی ہیں ''اضمحلال'' افسردگی توانائی کا کم ہوجانا' سست روی' اور شکستگی کا پہلو ہوتا ہے وہ تمام اعمال جن سے انسانی کردار میں ضعف پیدا ہوتا ہو۔جن سے اسکی قوت عمل میں کمزوری واقع ہوجائے۔جن سے وہ سفر حیات طے کرنے میں سست گام ہوجائے۔جن سے وہ دوسرں کے مقابلہ میں پیچھے رہ جائے۔انسانی صلاحیتوں میں کمی آجائے۔افراد کارواں کے ساتھ چل نہ سکے' پیچھے رہ جائے جبکہ اسلام کا نظام یہ ہے کہ تمام افراد ملت باہم دگر بانہوں میں بانہیں ڈالے ایک دوسرے کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں اور جو شخص جماعت چھوڑ کر پیچھے رہ جائے اثم کا مرتکب ہوتا ہے۔

2 عدوان:۔''اجنبی لوگ'' ایک دوسرے سے الگ۔ بنیادی مفہوم دوری کا پایا جاتا ہے لہٰذا عدو

دشمن کو کہتے ہیں جو کہ صدیق (دوست) اور ولی (مددگار) کی ضد ہوتا ہے۔یعنی (دوست و مددگار نہ ہونا) ''راغب'' نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنی ہیں کسی کا ''حد سے بڑھنا'' اور ''ہم آہنگی نہ ہوسکنا'' اگر یہ دلی کیفیت ہے تو عداوت کہلاتی ہے اور اگر عدل و انصاف میں ابتری ہوتو عدوان کہلاتا ہے (تاج) عدوان کے معنی بزور اور بدترین طریقہ سے حد سے تجاوز کرنا بھی ہیں (تاج) اور ''ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں حد سے بڑھنا اور ایسے معاملہ میں آگے بڑھنا جس میں ایک خاص حد میں رہنا چاہیے تھا۔

ایسے کام جن کی وجہ سے توانائی وصلاحیت کم ہوجائے اور انسان پیچھے رہ جائے ''اثم'' کہلاتا ہے اور ایسے کام جن میں انسان حدود فراموش ہوکر غلط طریقے سے آگے بڑھے۔''عدوان'' کہلاتا ہے علاوہ ازیں ''اثم'' سے مراد ایسے جرائم جن کا اثر متعدی ہو۔یعنی جن کے اثرات سے دوسرے افراد معاشرہ بھی متاثر ہوں مگر یہ دونوں جرائم ہیں اور جرائم کے معنی عربی لغت میں یوں لکھے ہیں۔

3 جرم :۔اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو کاٹ دینے کے ہیں اور اس پر سے کسی چیز کو ہٹا کر ننگا کردینا (محیط) عام طور پر کسی کے درخت سے پھل کاٹ یا توڑ کے لیجانے کیلئے بولا جاتا ہے (راغب) ''جرما'' اس نے بھیڑ کی اون کاٹ لی (تاج) یعنی اس کو ننگا کردیا۔ٹھٹھرنے کو چھوڑ دیا اور خود کمبل بنالیا جائے۔''جرم اللحم عن العظم'' ہڈی پر سے گوشت نوچ لیا۔اس طرح ہڈی کو ننگا کردیا۔(محیط) ان مثالوں سے لفظ جرم کا جو مفہوم سامنے آتا ہے۔وہ یہ ہے لوٹ کھسوٹ سلب ونہب سے دوسرے کا پھل توڑ کر اپنے ہاں لے جانا' یعنی دوسروں کی محنت کا حصہ چھین کر لے جانا اور ننگا (محروم) کردینا۔ایسا کرنے والوں کو مجرمون کہا گیا ہے۔قران کریم کی رو سے وہ نظام اور معاشرہ بدترین ہوتا ہے جس میں کچھ لوگ دوسرے لوگوں کا استحصال کریں۔یعنی مختلف ہتھکنڈوں سے انکی کمائی ہتیالیں اور ان کی محنت کی کمائی پر خود عیش اُڑائیں۔ایسا معاشرہ جہنمی ہوتا ہے۔جس کا لازمی نتیجہ تباہی ہوتا ہے۔''سورہ القلم'' میں ہے کہ ہم مسلمین کو مجرمین کے سامنے کردیں گے۔یہاں مسلم کے مقابلہ میں مجرم کا لفظ آیا ہے۔لہٰذا مسلم کبھی مجرم نہیں ہوسکتا اور مجرم کبھی مسلم نہیں ہوتا۔یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اب آپ نگاہ بازگشت ڈالیں کہ ان تینوں لفظوں یعنی '(اثم' عدو' جرم) کے عربی مفہوم پر اور فارسی

کے ترجمہ گناہ پر' جس کی سزا قیامت کے بعد روز محشر اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گی۔ جہاں اگر احساس پیدا ہو بھی جائے تو توبہ کی گنجائش نہیں اصلاح کا وقت نہیں۔ دوسری طرف ان تینوں الفاظ کا عربی لغت والا ترجمہ ذہن میں دھرائیں کہ ایسے کام جو معاشرہ کی نظر میں بے شک جائز ہی ہوں مگر ان سے دوسروں کی کمائی کسی طرح ہتیا کر اس پر اپنی زندگی عیش سے گزاری جائے۔ جس سے اس کی اپنی زندگی کی صلاحیتوں میں بھی کمزوری آ جائے اور وہ محنت کی حلال کمائی کے قابل ہی نہ رہے اور اس طرح محنت کرنے اور توانائی بخش کاموں میں پیچھے رہ جائے کیونکہ بغیر محنت کے زیادہ دولت با آسانی ہاتھ آ جائے جس کے استعمال سے صلاحیتوں میں کمی پیدا ہو جاتی ہے اور بوقت ضرورت انسان محنت کے میدان میں خود پیچھے رہ جاتا ہے۔

اور ایسے کام کاج جن میں وہ حدود سے تجاوز کر جائے جن سے معاشرہ متاثر ہو گناہ ہی کے زمرہ میں آتے ہیں۔ ''کتنا بڑا فرق ہے؟'' اس فرق کو اس مثال سے یوں سمجھیں۔ ہمارے ہاں بجلی کی ننگی تار کو چھونے کے عمل کو ہلاکت خیز یا نقصان دہ کہتے ہیں۔ کیا کبھی کسی نے کہا ہے کہ بجلی کی تار کو چھونا گناہ ہے؟ حالانکہ وہ گناہ ہی ہے۔ اس لئے کہ ہم جانتے ہیں اس سے فوراً نقصان دہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ یعنی فوری موت یا کم از کم صلاحیتوں میں خرابی و کمزوری تو پیدا ہو ہی جاتی ہے اور یہ کبھی نہیں سوچتے کہ اس کی سزا قیامت کے بعد روز محشر ملے گی۔ مگر گناہ کا روایتی تصور یہی ہے کہ بظاہر نقصان دہ عملوں کا نتیجہ بھی روز محشر ہی ملے گا۔ یہیں سے ہم غلط فہمی میں مارے جاتے ہیں کہ جہاں لفظ ''گناہ'' آیا اس عمل کے نتیجہ کو روز محشر پر ڈال کر مطمئن ہو گئے کہ دیکھا جائے گا۔ کہ روز محشر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس امت مسلمہ کو شفاعت کے ذریعہ گناہوں کے عذاب سے نجات دلا دیں گے لہٰذا نتائج کی تاخیر تا قیامت اور شفاعتی نجات کے تصور سے گناہ سے رکنے کا عام خوف نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔ بجائے اس کے اگر ہم ان اعمال کو عربی چشم تصور سے دیکھیں کہ یہ عمل ہلاکت انگیز' نقصان دہ صلاحیتوں کو کمزور کر دینے والے' سفر حیات میں سست کرنے والے' پیچھے چھوڑ جانے والے ہیں جن کے نتائج بہ نسبت عمل و قانون فوراً یا کچھ دیر بعد نکل سکتے ہیں یا پھر روز قیامت کو بھی، تو یہ احساس ہمیں ان نقصان رساں عمل کرنے سے منع رکھے گا ورنہ قیامت کے بعد سزا ملنے کے تصور سے ہم'' چلو

خیر ہے دیکھا جائے گا'' کا سہارا لے کر غلطیاں اور جرائم دھراتے رہتے ہی کتنی خود فریبی ہے کہ بجلی کی ننگی تار چھونے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں مر نہ جائیں حالانکہ وہ بھی گناہ ہی ہے مگر فوری نتیجہ کا حامل ۔ 'سوچنے کی بات ہے'۔

(باب محشر) **محشرِ امروز**

(آج کا محشر۔۔ اپنا اعمال نامہ اپنے قلم سے)

قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ جب کوئی اس کی طرف حصولِ راہنمائی کا سچا جذبہ لے کر آتا ہے تو یہ روشنی کے لامتناہی سلسلہ کی بارش کرتا چلا جاتا ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

''اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے'' ۔(29/69)

شعور و آگہی کا ایک سے بڑھ کر ایک انداز دامن کھولے کھڑا پکار رہا ہوتا ہے

۔''ولقد یسرنا القُرآن للذکر فھل من مدکر''(54/22)

اور ہم نے اس قُرآن کو سمجھنے کے لیئے آسان کر دیا کوئی ہے کہ سوچے سمجھے

سبحان اللہ قرآن کریم ہاتھ میں ہو۔دل میں سچی تڑپ ہو تو کمی کس بات کی۔؟

بس شرط ایک ہی ہے کہ قرآن کریم سے پوچھتے جایئے کہ کیا کرنا ہوگا۔ پہلے سے اپنے طے شدہ مسلک و نظریہ کی تائید ڈھونڈنے ہرگز نہ جایئے۔ بلکہ قرآن کریم سے پوچھیئے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔پھر دیکھیئے کیسے فکر و عمل کے راستے کھلتے جائیں گے اور ہاں اس میں دیر کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔ارشاد ربانی ہے

۔''لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں پڑے اس سے روگردانی کر رہے ہیں (21/1-2) حقیقت کا علم میں آ جانے کے بعد اس پر عمل نہ کرنا ہی تو روگردانی اور غفلت ہے۔ایک اور وارننگ بھی سن لیں

'اے ایمان والو! جو مال ہم نے تمہیں دیا۔اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے اسطرح خرچ کرو (یعنی دوسرے ضرورت مندوں کے لئے کھلا رکھو) ۔جس میں نہ اعمال کا سودا، دوستی اور نہ شفاعت

کام آئے گی" ۔(2/254)۔

دوستو! سوچو" کہ اگر یہ موقعہ ہاتھ سے نکل گیا اور وہ وقت آ گیا، جب کہا جائے گا کہ "لو اپنا اعمال نامہ پڑھ لو۔ تمہارے حساب کرنے کے لئے باہر سے کسی محاسب بلانے کی ضرورت نہیں۔ خود تمہاری ذات تمہارے خلاف محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے" ۔(17/14)

یاد رہے کہ قرآن کریم ہمیں کل کے لئے بھی راہنمائی دیتا ہے اور آج کے لئے بھی، مستقبل کے لئے بھی اور حال کے لئے بھی، آخرت کے لئے بھی، دنیا کے لئے بھی، اور اچھے مستقبل کی بنیاد حال کے اچھے اعمال پر استوار ہوتی ہے۔ ہمارا موجودہ لمحہ حال ہے اور آنے والا لمحہ مستقبل ہے۔ انسان ہر لمحہ یا تو تباہ ہو رہا ہوتا ہے یا نشوونما پا رہا ہوتا ہے۔ اگر ہم نے موجودہ لمحات کو قرآنی سانچے میں ڈھال لیا تو مستقبل یقیناً وعدہ ربانی کے مطابق محفوظ ترین ہوگا۔

موجودہ لمحات کیسے استعمال ہوں۔ اس کے لئے ہمیں محشر فردا (آخرت کا محشر) سے پہلے محشر امروز (آج کے محشر) سے گزرنا ہوگا۔ جس کا ایک طریقہ پیش خدمت ہے۔ یہ ایک ہفتہ واری چارٹ آیات قرآنی کے نگینوں سے ترتیب دیا ہے۔ اس کی ایک فوٹو کاپی کروا کر اپنے پاس رکھیں۔ جب دیکھیں کہ کسی آیت کی خلاف ورزی ہوئی ہے تو اس کے سامنے لائن میں اس دن کے خانے میں کراس کا نشان (X) لگا دیں اور رات کو سونے سے قبل دیکھیں جن آیات پر عمل کیا ان کے سامنے ٹِک ✓ کا نشان لگا دیں۔ جن جن آیات سے پالا نہیں پڑا انہیں خالی رہنے دیں۔ آپ کو روزانہ معلوم ہوتا جائے گا کہ ہمارا اعمال نامہ بہتری کی طرف جا رہا ہے یا تباہی کی طرف۔ یاد رہے بعد از قیامت اعمال نامہ دیکھ کر آپ کے پاس اصلاح عمل کی گنجائش نہیں ہوگی جبکہ یہ اعمال نامہ ہر شام دیکھ کر اگلی صبح اصلاح اعمال کے مواقع میسر ہونگے۔ اسے غنیمت جانئے اور بسم اللہ کیجئے۔

تو اپنی سرِنوشت اپنے قلم سے لکھ　　خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں

فرمانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہمیں یہی سبق مِلتا ہے کہ

(جس کا گزرا ہوا کل اور آج ایک جیسا ہوا وہ تباہ ہوا)

اگلے صفحہ پر چارٹ دیکھیں

نوٹ ۔ یہ تین چارٹس ہیں ۔آپ قرآنِ کریم کی مدد سے مزید چارٹس خود بھی تیار کر سکتے ہیں ۔

نمبر شمار	حوالہ آیت	آیت کا مطلوبہ عمل	جمعہ	ہفتہ	اتوار	سوموار	منگل	بدھ	جمعرات	میزان
1	49/12	آج دوسروں کی ٹوہ میں تو نہیں رہے ؟								
2	49/12	آج کسی کی غیر موجودگی میں اس کی برائی تو نہیں کی۔؟								
3	57/23	آج شیخیاں تو نہیں بگھاری ؟								
4	26/123	آج سنی سنائی بات آگے تو نہیں پھیلائی۔ ؟								
5	16/105	آج جھوٹ تو نہیں بولا ؟								
6	25/72	آج جھوٹی گواہی تو نہیں دی۔ ؟								
7	2/264	آج کسی پر احسان کرکے مشہوری تو نہیں کی۔ ؟								
8	17/70	آج کسی کو کمتر اور ذلیل تو نہیں سمجھا ؟								
9	61/2	آج کوئی ایسی بات تو نہیں کی' جس پر خود عمل نہیں کرتے ؟								
10	5/2	آج خلاف انسانیت کام میں تعاون تو نہیں کیا۔ ؟								
11	42/37	آج غصہ میں کنٹرول کیا آپے سے باہر تو نہیں ہوئے ؟								
12	53/32	آج اپنے آپ کو پارسا تو نہیں جتاتے پھرے ؟								
13	25/72	آج سچی گواہی چھپائی تو نہیں ؟								

میزان

نمبر شمار	حوالہ آیت	آیت کا مطلوبہ عمل	جمعہ	ہفتہ	اتوار	سوموار	منگل	بدھ	جمعرات	میزان
1	4/36	آج دوستوں سے حسن سلوک سے پیش آئے ؟								
2	6/54	آج غلطی کا احساس ہونے پر اصلاح کی کوشش کی۔ ؟								
3	4/58	آج امانت احتیاط سے واپس کی۔ ؟								
4	89/17	آج معاشرہ میں کمزور فرد کی عزت کی۔ ؟								
5	6/54	آج اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ ؟								
6	42/40	آج بدلہ لینے کی طاقت کے باوجود معاف کیا۔ ؟								
7	17/78	آج قرآن باقاعدگی سے پڑھا ؟								
8	38/29	آج آیتوں پر غور کیا۔ ؟								
9	24/30	آج بے باک نگاہ (غلط نظر) سے کسی مرد یا عورت کو تو نہیں دیکھا۔ ؟								
10	2/177	آج اپنا عہد پورا کیا۔ ؟								
11	33/70	آج بات واضح دوٹوک کی۔ ؟								
12	49/10	آج لڑنے والوں کی صلح کروائی۔ ؟								
13	4/36	آج ہمسایوں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ ؟								

میزان 90

نمبر شمار	حوالہ آیت	آیت کا مطلوبہ عمل	جمعہ	ہفتہ	اتوار	سوموار	منگل	بدھ	جمعرات	میزان
1	2/42	آج جھوٹ کو سچ بنا کر پیش تو نہیں کیا۔ ؟								
2	28/55	آج لغو باتوں (فضول گفتگو) میں شریک تو نہیں ہوئے ؟								
3	9/79	آج کسی کا مذاق تو نہیں اڑایا۔ ؟								
4	31/18	آج کسی سے منہ بسور کر پیش تو نہیں آئے۔ ؟								
5	4/5	آج کسی سے بدکلامی (بدتمیزی) تو نہیں کی۔ ؟								
6	4/54	آج دل میں کسی کے لئے حسد تو نہیں پیدا کیا ؟								
7	3/135	آج جان بوجھ کر ضد پر تو نہیں اڑے رہے ؟								
8	9/79	آج کسی کو غربت کا طعنہ تو نہیں دیا۔ ؟								
9	7/26	آج آج لباس اظہار تکبر فحاشی والا تو نہیں پہنا ؟								
10	25/67	آج فضول خرچی یا بے جا کنجوسی تو نہیں کی ؟								
11	24/23	آج کسی پر الزام تو نہیں لگایا ؟								
12	49/11	آج کسی کو بگڑے نام سے تو نہیں پکارا ؟								
13	49/11	آج کسی پہ خواہ مخواہ شک تو نہیں کیا ؟								

میزان

نگہ بازگشت

جناب مبارک ہو آپ نے کتاب کا مطالعہ مکمل کر لیا۔ آیئے ہم کتاب کی موٹی موٹی باتوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں۔ تاکہ اندازہ ہو کہ آپ نے کتاب کس توجہ سے پڑھی ہے۔ بھئی یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہر کام کا ایک امتحان بھی ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ بھی ہوتا ہے۔ درست جواب کے سامنے یہ ٹِک (   ) کا نشان لگائیں۔

(باب قرآن)

(1) قرآن کریم ۔سمجھنے کے لئے آسان ہے۔

(2) قرآن کریم ۔سمجھنے کے لئے مشکل ہے۔

(3) قرآن کریم کو ہمیں عمل کرنے کیلئے سمجھنا چاہیے۔

(4) قرآن کریم جو ہدایت کی کتاب ہے بغیر سمجھے پڑھنا درست ہے۔

(5) قرآن کریم کی ہدایت تمام انسانوں کے لئے ہے۔

(6) قرآن کریم کی ہدایت مخصوص انسانوں کے لئے ہے

(7) قرآن کریم جادو ،منتر اور ٹونے کی کتاب ہے۔

(8) قرآن کریم کامیاب زندگی کے طریقے سکھاتا ہے۔

(9) قرآن کریم پر عمل کرنے سے آخرت کا فائدہ ہے۔

(10) قرآن کریم پر عمل سے دنیا و آخرت دونوں کا فائدہ ہے۔

(11) علم ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔

(12) علم صرف خاص لوگوں کے لئے ہے۔

(13) علم والا اور بے علم برابر ہوتے ہیں۔

(14) علم والا اور بے علم ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

(15) علم حاصل نہ کرسکنا انسان کی مجبوری ہے۔

(16) علم حاصل نہ کرسکنا صرف حیوان کی مجبوری ہے۔

(17) کسی کام سے پہلے اس کا علم ضروری ہے۔

(18) علم کے بغیر درست کام کیا جاسکتا ہے۔

(19) علم کی ایک حد ہے۔

(20) علم کی کوئی حد نہیں۔

(21) یقینی علم صرف وحی الٰہی ہے۔

(22) یقینی علم وحی الٰہی کے بغیر بھی ہے۔

(23) اسلام کے بغیر بھی امن وسلامتی ہے۔

(24) اسلام ہی امن اور سلامتی کا ضامن ہے۔

(25) مسلم اپنے امن کا ضامن ہے۔

(26) مسلم اپنے اور دوسروں کے امن کا ضامن ہے۔

(27) اسلام فرد اور حکومت کے لئے مکمل نظام ہے۔

(28) اسلام عقائد' رسومات ' عبادات کا نام ہے۔

(29) اللہ تعالیٰ ہمیشہ انصاف فرماتا ہے۔

(30) اللہ تعالیٰ کبھی انصاف کرتا ہے کبھی نہیں۔

(31) دوسرے کا حق چھین لینا طاقت ور کا حق ہے۔

(32) دوسرے کا حق چھین لینا ظلم اور جرم ہے۔

(33) مجرم کو یونہی چھوڑ دینا انصاف ہے۔

(34) مجرم کو سزا دینا انصاف ہے۔

(35) ہاتھ جل جائے تو سفارش سے درد ختم ہو جاتا ہے۔

(36) ہاتھ جل جائے تو سفارش کام نہیں آتی۔

(37) آگ میں انگلی، میں ڈالوں درد مجھے ہوگا۔

(38) آگ میں انگلی، میں ڈالوں درد آپ کو ہوگا۔

(39) اللہ کے قانون میں سزا غلطی کرنے والے کو ہی ملتی ہے۔

(40) اللہ کے قانون میں سزا کسی دوسرے کو بھی مل سکتی ہے۔

درست جوابات: 1 3 5 8 10 11 14 16 17

20 21 24 26 27 29 32 34 36 39

باب ایمان

(1) ایمان یعنی اسلام کی سچائیوں کو تسلیم کر لینا کافی ہے

(2) تسلیم کر کے ان پر زندگی بھر عمل کرتے رہنا۔

(3) شدید بھوک میں زہریلا کھانا کھا لیا جائے تو بھی خیر ہے

(4) شدید بھوک میں ناجائز کمائی کا رزق کھا لیا جائے تو بھی خیر ہے

(5) بھوک برداشت کریں زہریلا و ناجائز رزق مت کھائیں

(6) موت سے زندگی کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔

(7) صرف جسم مرتا ہے زندگی کا سفر جاری رہتا ہے۔

(8) اعمال کا نتائج دنیا میں ہی سامنے آتے ہیں۔

(9) نتائج کچھ دنیا میں کچھ آخرت میں سامنے آ سکتے ہیں۔

(12) کسی عمل کا نتیجہ نکلتا ہے کسی کا نہیں۔

(13) ہر عمل کا نتیجہ نکلتا ہے۔

(14) کبھی کبھی برے کام کا نتیجہ بھی اچھا نکلتا ہے۔

(15) برے کام کا ہرگز اچھا نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

(16) محنت کے بغیر نقل یا سفارش سے پاس ہونا کامیابی ہے۔

(17) اس طرح پاس ہونا اپنے آپ کو دھوکا ہے

(18) محنت کے بغیر صرف دعا مانگنا درست ہے۔

(19) محنت کے بغیر صرف دعا مانگنا درست نہیں ہے۔

(20) خدا عربی زبان کا لفظ ہے۔

(21) خدا فارسی زبان کا لفظ ہے۔

(22) قرآن کے مطابق اللہ کو خدا کہنا درست ہے۔

(23) قرآن کے مطابق اللہ کو خدا کہنا درست نہیں ہے۔

(24) خدا حافظ' خدا جانے' خدا خیر کرے درست الفاظ ہیں۔

(25) اللہ حافظ' اللہ جانے' اللہ خیر کرے درست الفاظ نہیں۔

(26) ہر رسول کی تعلیم الگ الگ ہوتی تھی۔

(27) ہر رسول احکام الٰہی کی ایک ہی تعلیم دیتا تھا۔

(28) ہر رسول کا نظریہ حیات الگ الگ تھا۔

(29) ہر رسول کا نظریہ حیات ایک اسلام ہی تھا۔

(30) پیغمبر کا مطلب اپنا پیغام دینے والا۔

(31) پیغمبر کا مطلب کسی کا پیغام پہنچانے والا

(32) دنیا کی ہر قوم میں رسول آئے۔

(33) کسی قوم میں رسول آئے کسی میں نہیں۔

(34) ہر رسول کی قوم مسلم کہلاتی تھی۔

(35) ہر رسول کی قوم مسلم نہیں کہلاتی تھی۔

(36) رسول انسانوں کا اختلاف مٹانے آتے تھے

(37) رسول انسانوں کے اختلاف کی پیشن گوئی کرنے آتے تھے۔

(38) ہر رسول انسان ہوتا تھا۔

(39) ہر رسول انسان نہیں ہوتا تھا۔

(40) رسول صرف پیغام پہنچانے آتے تھے۔

(41) رسول پیغام کے مطابق معاشرہ قائم کرنے آتے تھے۔

(42) رسول کو اپنی نبوت کا پہلے ہی علم ہوتا تھا۔

(43) رسول کو ایک لمحہ بھی پہلے نبوت کا علم نہیں ہوتا تھا۔

(44) بکھرے ہوئے اوراق کو کتاب کہتے ہیں۔

(45) جمع شدہ اوراق کو کتاب کہتے ہیں

(46) ہر نبی کو کتاب ملتی تھی۔

(47) ہر نبی کو کتاب نہیں ملتی تھی۔

(48) وحی الٰہی کے مجموعے کو ہی کتاب یا صفحہ کہتے ہیں۔

(49) وحی اور چیز ہے۔ کتاب اور چیز ہے۔

(50) رسول کو وحی ملنا ہی نبوت کہلاتا ہے۔

(51) ہر رسول کو وحی ملنا ضروری نہیں۔

(52) وحی کے بغیر تنہا عقل درست فیصلے نہیں کرسکتی۔

(53) تنہا عقل درست فیصلے کرسکتی ہے۔

(54) انسان وحی کے مطابق چلے تو بہترین مخلوق ہے۔

(55) انسان صرف عقل کے مطابق چلے تو بہترین مخلوق ہے۔

(56) انسانوں پر حکومت کرنے کا حق عقل مند انسان کو ہے۔

(57) انسانوں پر کسی بھی انسان کا حکومت کرنا شرک ہے۔

(58) قرآن کریم اللہ کی آخری اور مکمل کتاب ہے۔

(59) قرآن کریم راہنمائی کے لئے مکمل کتاب نہیں ہے۔

(60) قرآن کریم انسان کی راہنمائی کے لئے کافی ہے۔

(61) راہنمائی کیلئے قرآن کریم دوسری کتابوں کی محتاج ہے

(62) دنیا کی ہر کتاب شک وشبہ سے پاک ہے۔

(63) قرآن دنیا کی واحد شک وشبہ سے پاک کتاب ہے۔

(64) قرآن کریم ایک رات میں نازل ہوا۔

(65) ایک رات میں نزول کا آغاز ہوا 23 سال میں مکمل ہوا۔

(66) سیپارہ کا مطلب' ایک پارہ۔

(67) سیپارہ کا مطلب تیس پارے۔

(68) ایک پارے کو سیپارہ کہنا بھی درست ہے۔

(69) پارہ کا مطلب ایک پارہ

(70) فرشتے بھی انسان کی طرح اپنی مرضی کر سکتے ہیں۔

(71) فرشتے اپنی مرضی نہیں کر سکتے۔

(72) انسان فرشتوں کی مدد کرتا ہے۔

(73) فرشتے انسان کی مدد کرتے ہیں۔

درست جوابات 2 5 7 9 13 15 17 19

21 23 25 27 29 31 32 34 36 38

41 43 45 46 48 50 52 54 57

58 60 63 65 67 69 71 73

باب حیثیت

(1) دنیاانسان کے لئے بنائی گئی۔

(2) انسان دنیا کے لئے بنایا گیا۔

(3) انسان کی تقدیر ستاروں کے ہاتھ میں ہے۔

(4) انسان کی تقدیر اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔اعمال کے مطاب

(5) عورت مرد سے نصف حیثیت رکھتی ہے۔

(6) عورت، مرد دونوں برابر کے انسان ہیں۔

(7) دوسروں کی کمائی پر زندگی گزرنا عظمت ہے۔

(8) اپنی محنت کی کمائی پر زندگی عظمت ہے۔

(9) دوسروں کی کمائی کسی طرح ہتھیانا بھی گداگری ہے۔

(10) صرف ہاتھ پھیلا کر مانگنا گداگری ہے۔

(11) کائنات کو مسخر کرنا انسان کا مقصد حیات ہے۔

(12) کائنات کی تسخیر ناممکن ہے۔

(13) انسان کی بنیادی صفت انس، محبت اور الفت ہے۔

(14) بنیادی صفت حسد، بغض، اختلاف ہے۔

(15) قرآن پر ایمان لانے والوں کا نام مسلم ہے۔

(16) مسلم کے علاوہ بھی قُرآن نے بہت سے نام بتائے ہیں۔

(17) مسلم سے مراد اپنی اور دوسروں کی سلامتی کا ضامن۔

(18) سلامتی مسلم کی لازمی ذمہ داری نہیں۔

(19) مومن سے مراد اپنے اور دوسروں کے امن کا ضامن۔

(20) امن، مومن کی لازمی ذمہ داری نہیں۔

(21) مومن، قول کا پکا، سچا اور کھرا ہوتا ہے۔

(22) بے یقین، جھوٹا اور شرپسند بھی مومن ہوسکتا ہے۔

(23) مومن محض زبان سے ایمان لانے والا بھی ہوسکتا ہے

(24) مومن زبان اور عمل سے امن ثابت کرنے والا ہوتا ہے۔

(25) صرف غیر مسلم کے گھر پیدا ہونے والا کافر ہوتا ہے۔

(26) جو بھی اللہ کے قوانین پر عمل نہ کرے کافر ہوتا ہے۔

(27) انسان حیوان نہیں ہوتا۔

(28) غور وفکر نہ کرنے والا انسان بھی حیوان ہی ہوتا ہے۔

(29) منافق کے دل میں کچھ اور زبان پر کچھ ہوتا ہے۔

(30) منافق کے دل اور زبان میں ایک ہی بات ہوتی ہے۔

(31) منافق جو کہتا ہے وہ کرتا بھی ہے۔

(32) منافق کہتا کچھ ہے کرتا کچھ۔

(33) منافق وعدہ خلاف جھوٹا' دھوکہ باز ہوتا ہے۔

(34) منافق وعدہ کا پکا' سچا اور دیانت دار ہوتا ہے۔

(35) منافق۔ حق سے صاف صاف انکار کرنے والا۔

(36) منافق زبان سے اقرار دل سے انکار کرنے والا۔

(37) منافق دوٹوک کھری بات کرنے والا۔

(38) منافق گول مول بات کرنے والا۔

(39) منافق غور وفکر کے بعد فیصلے پر پہنچنے والا۔

(40) منافق بغیر سوچے سمجھے جھٹ سے اعتراض کرنے والا۔

درست جوابات 1 4 6 8 9 11 13 15 17 19 21 24 26 27

28 29 32 33 36 38 40

باب جشن

(1) غلامی۔ ایک قوم کا دوسری قوم پر حاکم ہونا۔

(2) غلامی۔ ایک انسان کا دوسرے انسان پر حاکم ہونا۔

(3) حقیقی آزادی۔ صرف اللہ کے قوانین کا پابند ہونا۔

(4) حقیقی آزادی۔ انسانی قوانین کا بھی پابند ہونا۔

(5) قوانین الٰہی کی پابندی عزت وعظمت عطا کرتی ہے۔

(6) انسانی قوانین کی پابندی ذلت وشرک نہیں ہے۔

(7) عیدالفطر روزے ختم ہونے پر خوشی کا تہوار ہے۔

(8) دنیا کے عظیم ترین خزانے' قرآن کے آغاز نزول کا جشن ہے۔

(9) عید دنیا کا واحد جشن ہے جس کا حکم اللہ نے خود دیا ہے۔

(10) دوسرے جشن بھی اللہ کی طرف سے ہیں۔

(11) جشن وہ ہوتا ہے جس میں قوم کا ہر فرد شامل ہو۔

(12) کچھ لوگ خوشیاں منائیں کچھ ترسیں بھیک مانگیں تو بھی جشن ہے۔

(13) جشن نزول قرآن کا حکم سورۃ یونس میں ہے۔

(14) جشن نزول قرآن کا حکم سورۃ یوسف میں ہے۔

(15) یہ تہوار کروڑوں غلامیوں سے نجات کا جشن ہے۔

(16) یہ جشن اپنی مالی حیثیت ودکھلاوے کا دن ہے۔

درست جوابات 1 2 3 5 8 9 11 13 15

باب عمل

(1) عمل اور سستی ایک سکے کے دو رخ ہیں۔

(2) عمل اور علم ایک سکے کے دو رخ ہیں۔

(3) عمل محض ہنگامی کام کو کہتے ہیں۔

(4) وہ کام جو ہمیشہ کیا جائے عمل کہلاتا ہے۔

(5) عمل صالح کا تعلق نتائج سے نہیں ہوتا ہے۔

(6) عمل صالح کی نشانی اس کے ٹھوس نتائج ہوتے ہیں۔

(7) علم میں اضافہ کی ضرورت نہیں۔

(8) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی علم میں اضافہ کی دعا مانگی تھی۔

(9) جنت عمل صالح کے بدلے میں ملے گی۔

(10) جنت عمل صالح کے بغیر بھی مل جائے گی۔

(11) اللہ کو وہ عمل قبول ہیں جن سے دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچے۔

(12) اللہ تعالیٰ کو وہ عمل قبول ہیں جن سے اللہ کا فائدہ ہو۔

(13) (ع ل م)=( ) پر کریں۔

(14) قرآن کی رو سے جائز صرف اپنی محنت کا مال ہے۔

(15) جائز کمائی کے لئے اپنی محنت لازمی شرط نہیں۔

(16) صالح معاشرہ کے قیام کے لئے جان و مال کی قربانی لازمی ہے۔

(17) قربانی کے بغیر بھی صالح معاشرہ قائم ہوسکتا ہے۔

(18) قدرت کے قانون میں جو کرے سو بھرے۔

(19) انسانوں کے قانون میں جو کرے سو بھرے۔

(20) قانون مکافات ہر کام کا پورا پورا نتیجہ دیتا ہے۔

(21) قانون مکافات سے کچھ لوگ بچ نکلتے ہیں۔

(22) مترفین نیک' محنت کش اور اللہ کے پیارے ہوتے ہیں۔

(23) مترفین مفت خور' کام چور اللہ کے دشمن ہوتے ہیں۔

(24) کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

(25) ترقی کے لئے دوسروں کی مجبوری بہترین چانس ہوتا ہے۔

(26) اپنی جائز کمائی سے صرف بنیادی ضروریات پوری کریں۔

(27) اپنی کمائی سے کم یا زیادہ خرچ کریں کوئی پابندی نہیں۔

(28) ہمارے مال میں محروم، معذور، سائل کا حق ہوتا ہے۔

(29) محنت ہم کریں مال دوسروں کو کیوں دیں؟

(30) مومن کنجوسی سے مال جمع کرتے ہیں۔

(31) مومن خود تنگ رہ کر بھی مال انسانی بہبود کیلئے دیتے ہیں۔

(32) صحیح اسلامی زندگی صرف اسلامی نظام میں ہی بسر ہو سکتی ہے۔

(33) صحیح اسلامی زندگی کے لئے کسی نظام کا ہونا لازمی نہیں۔

درست جوابات 2 4 6 8 9 11 ع م ل 14

16 18 20 23 24 26 28 31 32

باب احساس

(1) اگر اسلامی نظام نہ ہو تو اسے قائم کرنا فرض ہے۔

(2) ایک فرد کی کوشش سے نظام قائم ہونا مشکل ہوتا ہے۔

(3) چھوٹے چھوٹے احکام کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

(4) چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہی تو کردار کی ابتدا ہوتی ہے۔

(5) کام ملازم کرے تو فائدہ صرف مالک کو ہوتا ہے۔

(6) ورزش ملازم کرے تو صحت مالک کی بنتی ہے۔

(7) امیر کے گھر امیر اور غریب کے گھر غریب بچہ پیدا ہوتا ہے۔

(8) پیدائشی طور پر کوئی امیر، غریب نہیں ہوتا۔

(9) اللہ تعالیٰ کسی کو نیک کسی کو بد پیدا کرتا ہے۔

(10) نیک یا بد انسان خود بنتا ہے یا معاشرہ بناتا ہے۔

(11) دنیا کا ہر بچہ انسان ہونے کی وجہ سے قابل عزت ہے۔

(12) عزت کا حق دار صرف امیر کا بچہ ہے۔

(13) عزت کا معیار طاقت، نسل، دولت اور عہدہ ہوتا ہے۔

(14) عزت کا معیار قوانین الٰہی پر عمل کرنے سے ہے۔

(15) عورت ہمیشہ سے کم تر ہے ذلیل ہے۔

(16) قدرت کے قانون میں مرد، عورت برابر ہیں۔

درست جوابات 1 2 4 8 10 11 14 16

باب اعتدال

(1) زیب وزینت حرام ہے۔

(2) اعتدال میں زیب زینت حرام نہیں ہے۔

(3) لباس ستر پوشی اور زیب وزینت کے لئے ہے۔

(4) لباس صرف امارت، تکبر اور فیشن کے ظہار کا ذریعہ ہے۔

(5) لباس، اعادات ، آرزوئیں خوشگوار ہونی چاہیں۔

(6) لباس قیمتی ہو تو باقی عیب چھپ جاتے ہیں۔

(7) اپنی وضع قطع درست رکھنی چاہیے۔

(8) اسلام میں وضع، قطع درست رکھنا لازمی نہیں۔

(9) مردار، سور، بہتا خون، غیر اللہ کے نام منسوب کھانا حرام ہے

(10) جھوٹ، فریب، دھوکہ، چوری، بد دیانتی کا مال بھی حرام ہے

(11) جو چیز کھانے کو دل نہ کرے وہ حرام ہے۔

(12) جو چیز اچھی نہ لگے اسے حرام مت کہو۔

(13) زیادہ اور بلا ضرورت کھانا منع نہیں۔

(14) ضرورت کے مطابق یا کم کھانا چاہئے۔

(15) گناہ = ایسے کام جن کی سزا آخرت میں ملے گی۔

(16) گناہ = ایسے نقصان دہ کام جن کی سزا دنیا و آخرت میں ہے۔

(17) گناہ = ایسے کام جو صلاحیتوں کو تباہ کردیں۔

(18) گناہ = کا صلاحیتوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(19) گناہ۔= چھپ کر کریں تو کوئی نقصان نہیں۔

(20) گناہ۔ظاہر ہوں یا چھپے ہوں نقصان دہ ہیں۔

(21) اعتدال سے کمی۔اثم ہے حد سے گزرنا عدوان کہلاتا ہے۔

(22) اعتدال میں رہنا اثم و عدوان کہلاتا ہے۔

(23) دوسروں کے مال پر عیش اڑانا ہوشیاری کہلاتا ہے۔

(24) دوسروں کے مال پر عیش اڑانا جرم ہے۔

درست جوابات 2 3 5 7 9 10 12 14 16

17 20 21 24

باب محشر

(1) جو لوگ کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں

سیدھی راہ ضرور دکھاتا ہے۔

(2) سیدھی راہ کی تلاش کے لئے کوشش ضروری نہیں۔

(3) قیامت سے پہلے بھی ہم اپنا اعمال نامہ دیکھ سکتے ہیں۔

(4) اعمال نامہ صرف قیامت کے بعد ہی دیکھ سکیں گے۔

(5) محشر قیامت سے پہلے محشر موجود بھی دیکھنا چاہئے۔

(6) آج کی زندگی تو اپنی مرضی سے گزاریں

بعد والا محشر دیکھا جائے گا۔

(7) قیامت والے اعمال نامہ کے بعد بھی اصلاح ممکن ہے۔

(8) آج اپنے اعمال نامہ کے بعد اصلاح کی گنجائش ہے

درست جوابات 1 3 5 8

تمت بالخیر

دُعا

اے کائنات کی نشوونما کرنے والے۔ میری اِس کوشش کو اِنسانوں کے فائدے کے لیے قبول فرما۔ آمین

گذارش

جانتا ہوں اہل دانش کے معیار پر پوری ناں اُتر سکے گی مگر پھر بھی اس حقیر کوشش میں جو کچھ کار آمد ہے وہ فیضانِ قُرآن کریم ہے اور جو کمی کوتاہی ہے وہ میری کم علمی کی بنا پر ہے اگر اس کمی کوتاہی غلطی کی اصلاح کے لیے مجھے مطلع کر دیا جائے اور بہتری کے لیے اپنی رائے سے نوازیں تو مجھے خوشی ہوگی اور آئیندہ ایڈیشن مزید بہتر ہوسکتا ہے

محمد اسلم نوید

یارب

جو میرے دیس کا بچہ ہے
وہ گوہر دل کا سچا ہے
وہ چاند اندھیری راتوں کا
وہ وارث اچھی باتوں کا
وہ پھول وطن کے گلشن کا
وہ سایہ دھوپ میں آنگن کا
تُو اس میں خلق کی خدمت کا
ایک سچا جذبہ بھر دینا
وہ دھرتی کا ایک سورج ہے
تُو علم سے روشن کر دینا
وہ میرے دیس کا بچہ ہے
وہ گوہر دل کا سچا ہے

(انمول گوہر)